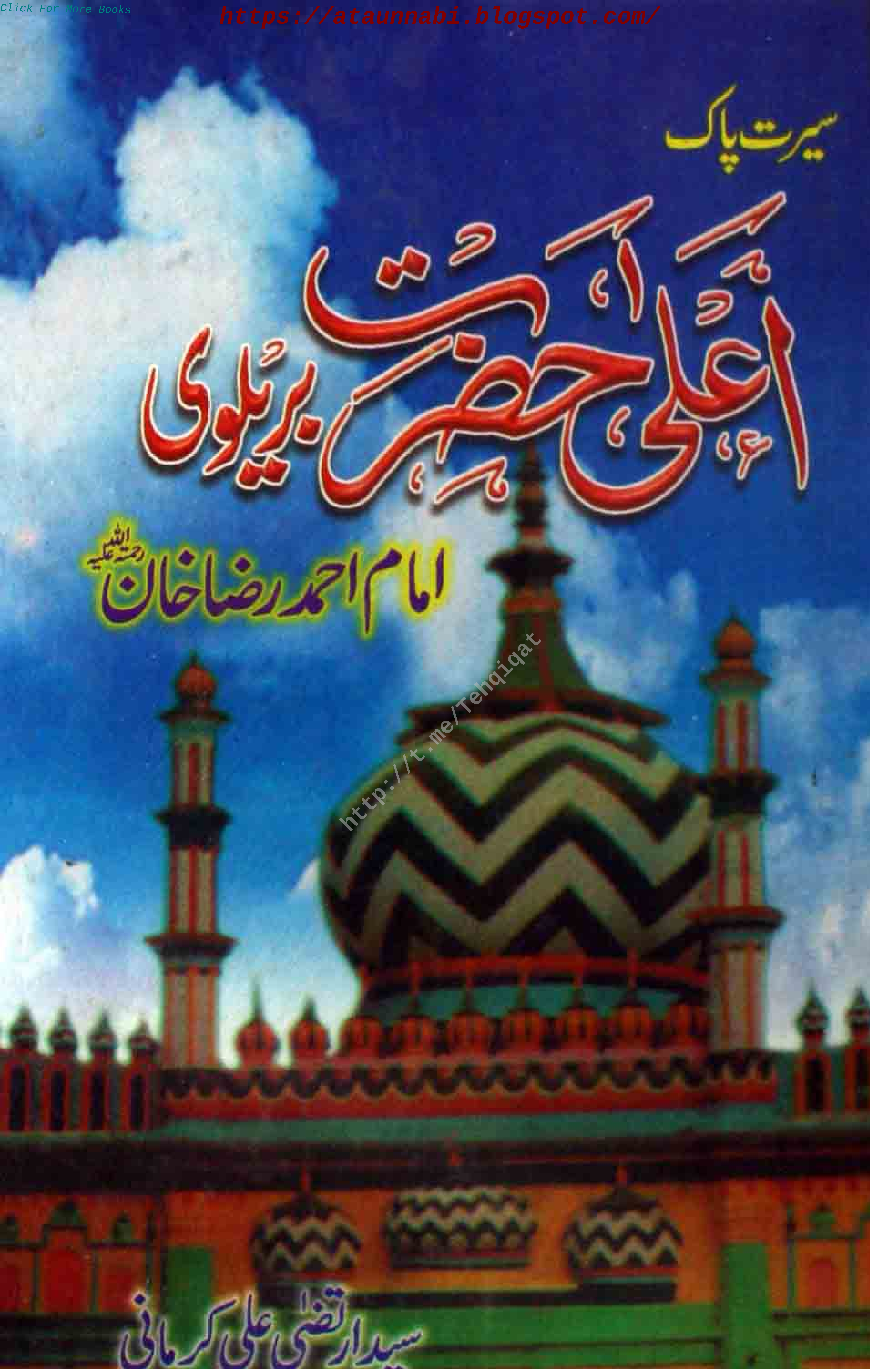
سیرت پاک

اعلیٰ حضرت بریلوی

امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ



سید ارتضیٰ علی کرمانی

خوشخبری

مسلک اہلسنت و جماعت کے عقائد و نظریات۔۔۔

بد مذہبوں کے باطلہ عقائد اور ان کے رد۔۔۔

اہلسنت پر کئے جانے والے اعتراضات کے جوابات پر مشتمل

کتب و رسائل، آڈیو ویڈیو بیانات اور والپیپر حاصل کرنے کے لئے

تحقیقات چینل ٹیلیگرام جوائن کریں

https://t.me/tehqiqat

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انہ من سلیمٰن وانہ

جان و دل ہوش و خرد سب تو مدینے پہنچے
تم نہیں چلتے رضاؔ سارا تو سامان گیا

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیتے ہیں

سیرت پاک

امام اہل سنت ' عاشق خیر الانام ' مجدد برحق ' مفسر اعظم
فقیہ لاثانی ' محدث ' قادری ' برکاتی
حضرت احمد رضا خان بریلوی رحمتہ اللہ علیہ
المعروف

اعلیٰحضرت بریلوی رح

از

سید ارتضیٰ علی کرمانی

عظیم اینڈ سنز پبلیشرز
الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

2000ء

محمد عظیم بٹ نے

گنج شکر پرنٹرز سے چھپوا کر

الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور

سے شائع کی

قیمت [redacted] 70/-

انتساب بنام

حضرت خواجہ غلام قطب الدین قطب
سجادہ نشین آستانہ عالیہ حضرت خواجہ محمد یار فریدی ﷫
گڑھی شریف، خانپور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محبوبِ خدا کی ہے فقط ذات بڑی
تفہیم سے قرآن کی ہر بات بڑی
قرباں ہیں اک آیت پہ لاکھوں صفحے
بڑی ہے جو معراج میں اک رات بڑی

فہرست

مضمون	صفحہ نمبر
نذر اعلیٰ حضرت ﷫	11
اعلیٰ حضرت ﷫ نے فرمایا	19
سیرت اعلیٰ حضرت ﷫	23
ولادت باسعادت	24
آباؤ اجداد	25
اولاد و امجاد	32
اعلیٰ حضرت ﷫ کا بچپن	36
بچپن کے چند یادگار واقعات	37
بچپن میں پہلا روزہ	40
شدید بیماری میں نماز کی پابندی	42
حصول تعلیم	43
ایک امریکی پروفیسر کی پیشین گوئی اور اعلیٰ حضرت ﷫ کا ابطال	49
جواب اعلیٰ حضرت ﷫	51
عادات اعلیٰ حضرت ﷫	59
سادات کی تکریم	61
اسلامی مساوات	86
مسلمان کرنا	92
اخلاق جلالی	94
سونے کا انداز	96

مضمون	صفحہ نمبر
چاندی کی کرسی	97
داہنا ہاتھ	100
مشاغل	101
غذا	102
سرتاج اولیاء حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ	109
مرشد اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ خاتم الاکابر سید آل رسول مارہروی رحمۃ اللہ علیہ	112
اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے بعض ہم عصر	114
حضرت حاجی وارث علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ	117
حضرت شیر محمد شرق پوری رحمۃ اللہ علیہ	118
حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ	120
خواجہ محمد یار فریدی رحمۃ اللہ علیہ	124
حضرت طاہر علاؤالدین رحمۃ اللہ علیہ	127
حضرت سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ	130
اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے چند خلفاء	133
حضرت سید محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ	135
حضرت مولانا محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ	146
حضرت مولانا شاہ محمد عبدالعلیم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ	156
حضرت مولانا ظفرالدین بہاری رحمۃ اللہ علیہ	158
حضرت مولانا سید دیدار علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ	161
کشف و کرامات اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ	165
اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی روحانی کرامات	173
اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا منظوم کلام	[illegible]

عرض ناشر

اعلحضرت احمد رضا خان صاحب بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کے حالات مقدسہ پر مشتمل یہ کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ آپؒ کا نام اہل اسلام کے لئے قطعی غیر معروف نہیں ہے۔ اس کتاب کو تیار کرنے کا واحد مقصد یہی ہے کہ نوجوانان اسلام کو اپنے اکابرین کی حیات وعادات سے روشناس کروایا جائے۔ اب یہ فرض بزرگوں کا ہے کہ وہ اپنے نوجوانون کو بزرگان اسلام کے حالات پڑھنے اور ان پر عمل کرنے کی ترغیب دیں۔ میری نظر میں اس کی افادیت ہمارے معاشرے میں غیر مسلم اکابرین کے حالات اور اطوار سے بدرجہا بڑھ کر ہے۔ ہم لوگ اپنے بچوں کو غیر مسلموں کے حالات واطوار تو بڑے شوق سے پڑھنے کو دیتے ہیں جو وہ اپنی نجی محافل میں بڑے فخریہ انداز میں دہراتے ہیں۔ مگر یہ کبھی نہیں دیکھا گیا کہ ہم لوگ اپنے اکابرین کی زندگیوں کے واقعات کو نجی محافل میں موضوع گفتگو بنائیں۔ میں تو اس کو ستم ظریفی ہی کہوں گا۔ اگر اس کتاب میں آپ کو کسی قسم کی کمی محسوس ہو تو مطلع فرمایئے گا۔ ادارہ آپ کا تہہ دل سے مشکور ہو گا۔

محمد عظیم بٹ

نذر اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ

الحمد للہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ محمد والہ واصحابہ واہلبیتہ وازوجہ وذریاتہ اجمعین امابعد

تمام تعریفیں اس کبریا ذوالجلال بے شبہ و بے مثال کو حاصل ہیں جس نے عقل کل، ہادی سبل، نور خدا، ظہور ہدا، شمس الضحیٰ، بدرالدجی، نورالہدیٰ، کہف الوریٰ، سرور انس و جان، سرور جان و جاں، حاوی بینات، معجزات حلال، آیات مشکلات، قبلہ عالمیان، و کعبہ آدمیان، نائب مولیٰ خلیفہ خدا، مورد الطاف کریم، مصدر عطاف رحیم، مشرف بہ تشریف لولاک، معزز بخطاب،

یاایھاالنبی انا ارسلنک رسولا

امی، قریشی، ہاشمی، مطلبی ابوالقاسم محمد بن عبداللہ کا ظہور فرمایا تاکہ دونوں عالم ہدایت اور نجات کے باعث بنیں اور یقینی بات ہے کہ جس نے بھی سچا راستہ یعنی دین محمد ﷺ کو اختیار کیا اس نے دنیا اور آخرت میں بھلائی حاصل کی۔ انہی نفوس مبارکہ میں سے ایک ہستی تھی اعلیٰ حضرت امام اہل سنت عاشق رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجدد مفسر اور لافانی نعت گو احمد رضا خان صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

اس وقت آپ انہی کی سیرت پاک پر مشتمل کتاب کا مطالعہ کرنے جارہے ہیں۔ اللہ کریم غفورالرحیم کا کروڑ کروڑ شکر کہ اس نے مجھ نالائق کم علم و فہم کو یہ سعادت بخشی کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی حیات مبارکہ پر قلم اٹھا

سکوں۔

اعلیٰ حضرت ﷺ ایک ایسے وقت میں پیدا ہوئے جبکہ ملک غلامی کی زنجیروں میں بری طرح جکڑا ہوا تھا۔ جب آپ سن شعور کو پہنچے تو آپ نے دیکھا کہ ہر سو اہل اسلام پس رہے ہیں اور اہل اسلام میں دینی علوم کے حصول کا جذبہ ماند پڑتا جارہا ہے۔ آپ کو یقیناً حیرانگی ہوگی کہ اعلیٰ حضرت سات آٹھ برس کی عمر میں ہی سن شعور کو پہنچ چکے تھے۔ اس لئے تو فقط تیرہ چودہ برس کی عمر میں فتوے دینا شروع کردیئے۔ کیا یہ ایک کرامت نہ تھی۔

اعلیٰ حضرت نے اہل اسلام کو اس وقت بیدار کرنے کی کوششیں کیں جب ہر طرف انگریزی زبان اور انگریزوں کے طور طریقوں کو اپنانے کی کوششیں اپنے عروج پر تھیں۔ مگر اسی زمانے میں جو کہ اہل اسلام کے لئے یقینی طور پر ایک پر آشوب زمانہ تھا۔ اہل اسلام کو ان کی منزل دکھا دی۔ پہلے اس میں آپ کو اپنوں اور غیروں کی بے جا مخالفت کا سامنا بھی کرنا پڑا۔

اعلیٰ حضرت اس بے جا مخالفت کے باوجود اسی کوشش میں سرگرداں رہے کہ مسلمان انفرادی طور پر بھی اس طرح قریب آجائیں جیسا کہ وہ اجتماعی طور پر ہیں۔ کیونکہ انفرادی طور پر اتحاد کے نتیجہ میں اجتماعی اتحاد وجود میں آتا ہے اور اجتماعی اتحاد ہی ایک قوم کو بیدار کرسکتا ہے۔ اس سلسلہ میں آپ نے فتویٰ میں تحریر فرمایا کہ

> "مسلمانوں کو اس بات کی اجازت نہیں کہ وہ کفار سے کسی کام میں مدد لیں یہاں تک کہ اگر کافر اور مسلمان کی زمین پر نماز پڑھنے کا موقع آجائے تو کافر مسلمان کو نماز پڑھنے کی اجازت دے دے' تب بھی مسلمان کو چاہئے کہ وہ دوسرے مسلمان کی زمین پر بغیر اجازت نماز پڑھ لے بصورت دیگر وہ شاہراہ عام پر نماز پڑھ لے۔ مگر کافر کی زمین پر نہیں۔
> (فتاویٰ رضویہ ص 18 جلد دوم)

اب آپ خود خیال فرمائیں کہ اعلیٰ حضرت نے لفظ "مسلمان" تحریر فرمایا

ہے اس مضمون میں آپ کے مخاطب اہل اسلام ہیں۔ یہ نہیں کہ کسی خاص طبقہ کو مخاطب کیا جارہا ہے آپ کے مخالفین آپ کو ایک نئے فرقہ کا بانی کہتے ہیں مگر یہ بالکل بے بنیاد بات ہے۔ آپ نے کسی نئے فرقہ کی داغ بیل نہیں ڈالی تھی بلکہ لوگوں میں عشق مصطفیٰ ﷺ کی سچی تڑپ پیدا کی تھی۔ کیا رسول کریم ﷺ سے محبت کا اظہار کرنے والا نئے فرقہ کا موجد کہلا سکتا ہے۔ ہاں! مگر لوگوں نے اس نام یعنی بریلوی کو خود ہی اختیار کیا جو کہ فقط عقیدت کی وجہ سے۔ لوگوں کی عقیدت اعلیٰ حضرت کے ساتھ نہیں بلکہ اس تعلق اور نسبت کے ساتھ ہے جو آپ کی ذات میں لوگوں کو دکھائی دیتا ہے۔

آپ نے لوگوں کو دین کی صحیح تبلیغ کی اور لوگوں کو بتایا کہ دین کا راستہ ہی سچا راستہ ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے افراد کی ذہنی تربیت کچھ اس انداز سے فرمائی کہ پھر وہ افراد خواہ کسی بھی ماحول میں چلے گئے انہوں نے اپنے نظریات سے کسی بھی صورت اختلاف نہیں کیا کیونکہ تربیت ہی میں تمام تر خصائص و نقائص پنہاں ہوتے ہیں اور اس بات کا اعلیٰ حضرت قدس سرہ کو بخوبی ادراک تھا کہ کوئی قوم بھی نظریہ کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔ اعلیٰ حضرت نے اپنے پاس حاضر ہونے والے تمام لوگوں کو اس بات کی تعلیم و تلقین فرمائی کہ مسلم قوانین و نظریات کو فقط کتابوں یا تحریر و تقریر تک محدود نہیں ہونا چاہئے بلکہ ان کا عملی مظاہرہ ہونا ازبس ضروری ہے۔

جس وقت کیمونزم کا دور عروج پر تھا اس وقت اعلیٰ حضرت نے اس کا مکمل طور پر مطالعہ فرمایا۔ اس کے بعد آپ نے اہل اسلام کو ان نظریات سے دور رہنے کی تلقین فرمائی۔ جبکہ آپ نے اکثر و بیشتر مسلمانوں کو یہ اسباق بھی دیئے کہ کس طرح مسلمان اپنا جداگانہ تشخص اپنا غیر اسلامی معاشرہ ہی برقرار رکھ سکتے ہیں۔

بات ہو رہی تھی کہ مخالفین نے اعلیٰ حضرت کو ایک نئے فرقہ کا بانی قرار دے دیا۔ میرے خیال میں اس بات کی رد کے لئے یہی بات کافی ہے کہ اس بات میں ماسوائے جہالت کے اور کوئی بات درست نہیں۔ کوئی نیا فرقہ اپنے مختلف نظریات و خیالات کا حامل ہوتا ہے۔ اس کی فقہ بھی مختلف ہوتی ہے۔ جیسا کہ آپ

غور فرمائیں تو چاروں آئمہ کے مطالعہ سے یہ بات بخوبی سمجھ میں آجائے گی جبکہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے بارہا اس بات کا اعادہ فرمایا کہ آپ فقہ حنفی کے پیرو کار ہیں اور آپ کا الگ سے کوئی فقہ نہیں ہے۔ مگر اس کے باوجود مخالفین نے آپ کو ایک فرقہ کا بانی قرار دے دیا جو کہ سرا سر زیادتی ہے۔

اب اگر لوگوں نے عقیدت خود کو بریلوی کہنا شروع کر دیا ہے تو اس میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی تو یہ ذمہ داری نہیں۔ اگر مزارات پر ڈھول تاشے بجیں اور غیر شرعی سرزد افعال ہوں تو اس میں صاحب مرکز کا نہیں ہمارا اپنا قصور ہے کہ ہم ان کو کیوں نہیں روکتے اور اعلیٰ حضرت نے تو ان کاموں کو سختی سے منع فرمایا۔ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق کی حد تک محبت کرنا اور اس کا اظہار کرنا غیر شرعی کام ہے تو پھر شرع کیا ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اپنی پوری زندگی میں اسی بات کی کوشش فرمائی کہ لوگوں میں آقائے نامدار ﷺ سے محبت و الفت پیدا کی جائے۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ بہت ہی کم تقریر فرماتے تھے۔ مگر میلاد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبرک موقع پر آپ کی تقریر بے خودی کا نمونہ ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ آپ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی "ب" سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مداح فرمائی۔ آقائے نامدار ﷺ سے آپ کی محبت لائق دیدنی تھی۔ آپ کا عشق کس درجہ پر تھا اس سلسلہ میں ایک مرتبہ آپ نے خود ارشاد فرمایا کہ

"میرے دل کے اگر دو ٹکڑے کیے جائیں تو ایک پر
لکھا ہوگا لاالٰہ الا اللہ اور لکھا ہوگا محمد رسول اللہ"

کیا یہ بات کسی خاص فرقہ کی ایجاد ہے۔ حالانکہ یہ حدیث تو متفق علیہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "تمہارا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہو سکتا جب تک تم میرے ساتھ اپنے ماں باپ سے بڑھ کر محبت نہ کرو۔" اعلیٰ حضرت نے فقط تحریر و تقریر سے یہ بات لوگوں تک نہیں پہنچائی بلکہ اس کا عملی مظاہرہ بھی فرمایا۔ آپ کے پاس جب کوئی شخص حج و عمرہ کی سعادت کے بعد حاضر ہوتا تو آپ اس سے دریافت فرماتے کہ کیا تم مدینہ طیبہ بھی گئے اگر وہ کہتا ہاں تو

آپ اس کے پاؤں چوم لیتے۔ یہ ہے عشق مگر یہ الگ فرقہ ہرگز نہیں۔

اعلیٰ حضرت کے متعلق ایک اعتراض آپ کی حیات مبارکہ میں ابھرا کہ آپ نے تکفیر علم یعنی مسلمانوں پر کفر کے فتوے لگا دیئے ہیں۔ حالانکہ آپ کی احتیاط تکفیر کا عملی نمونہ یہ تھا کہ شاہ اسماعیل شہید کی بعض عبارات پر سخت گرفت کی اور اس سلسلہ میں ایک رسالہ بعنوان "سبحان السبوح عن عیب کذب قصبوع" 1309ھ 1891ء بھی تصنیف فرمایا مگر آخر کار یہی تحریر فرمایا کہ

"علمائے محتاطین انہیں شاہ (اسماعیل شہید) کو کافر نہ کہیں، یہی صواب ہے"

اسی طرح ایک کتاب آپ نے "الکوکبتہ الشھابیتہ فی کفریات ابی الوھابیتہ" کے عنوان سے 1316ھ 1898ء میں شائع فرمائی اس کتاب میں آپ نے شاہ اسماعیل شہید ﷺ اور ان کے متبعین کے افکار و خیالات کا رد فرمایا۔ مگر آخیر میں یہی فرمایا کہ

"ہمارے نزدیک مقام احتیاط میں اکفار (یعنی کافر کہنے) سے کف لسان (یعنی زبان روکنا) ماخوذ و مختار و مناسب ہے"

ایک اور جگہ آپ نے تحریر فرمایا کہ

"لزوم والتزام میں فرق ہے' اقوام کا کلمہ کفر ہونا اور بات اور قائل کو کافر مان لینا اور بات ہم احتیاط برتیں گے' سکوت برتیں گے جب تک ضعیف سے ضعیف احتمال ملے گا حکم کفر جاری کرتے ڈالیں گے۔

سل السیوف الھندیہ علی کفریات بابا النجدیہ 1316ھ 1898ء

مگر اس کے باوجود مخالفین یہی اصرار کرتے رہے۔ ایک کتاب ازالتہ العار الحجر الکرائم عن کلاب الفار جو کہ عظیم آباد سے 1317ھ 1899ء میں شائع ہوئی آپ نے فرمایا ایک اور جگہ اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ

اس بات میں قوم متطمین اختیار کرتے ہیں' ان میں سے جو کسی ضروریات دین کا منکر نہیں نہ ضروریات دین کے کسی منکر کو مسلمان کہتا ہے اسے کافر نہیں کہتے۔

"ناچار عوام المسلمین کو بھڑکانے اور دن بیاڑے ان پر

اندھیری ڈالنے کو یہ چال چلتے ہیں کہ علمائے اہل سنت کے فتوائے تکفیر کا کیا اعتبار یہ لوگ ذرا ذرا سی بات پر کافر کہہ دیتے ہیں۔ ان کی مشین میں ہمیشہ کفرہی کے فتوے چھپا کرتے ہیں' اسماعیل دہلوی کو کافر کہہ دیا' مولوی اسحاق صاحب کو کہہ دیا' مولوی عبدالحئی صاحب کو کہہ دیا۔ پھر جن کی حیا اور بڑھی ہوتی ہے۔ وہ اور ملاتے ہیں کہ معاذ اللہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کو کہہ دیا' شاہ ولی اللہ صاحب کو کہہ دیا' حاجی امداد اللہ صاحب کو کہہ دیا اور مولانا شاہ فضل الرحمان صاحب کو کہہ دیا' یا پھر جو پورے ہی حد حیا سے گزر گئے وہ یہاں تک بڑھتے ہیں کہ ہاللہ عیاذا" ہاللہ حضرت شیخ مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کو کہہ دیا۔۔۔۔۔۔ غرض جسے جس کا زیادہ معتقد پایا اس کے سامنے اسی کا نام لے دیا کہ انہوں نے اسے کافر کہہ دیا۔ یہاں تک کہ ان میں سے بعض بزرگوں نے مولانا مولوی شاہ محمد حسین الہ آبادی سے جاکر جڑ دی کہ معاذ اللہ معاذ اللہ حضرت سیدنا شیخ اکبر محی الدین ابن عربی قدس سرہ کو کافر کہہ دیا۔ مولانا کو اللہ تعالیٰ جنت عالیہ عطا فرمائے انہوں نے آیتہ کریم

"ان جاء کم فاسق بنباء فتبینوا"

پر عمل فرمایا اور خط لکھ کر دریافت کیا جس پر یہاں سے رسالہ "انجاء البری عن وسواس المفتری" لکھ کر ارسال ہوا۔" (احمد رضا خان: حسام الحرمین' مطبوعہ لاہور' ص 42)

حالانکہ مولانا اشرف علی تھانوی ﷺ پر اعلیٰ حضرت نے کفر کا فتویٰ جاری کر رکھا تھا۔ مگر مولانا موصوف کو بخوبی علم تھا کہ آپ محبت اور عشق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل سے قائل ہیں اور سمجھتے تھے کہ مخالفت کا اصل سبب ناموس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت ہے۔ چنانچہ مولانا اشرف علی تھانوی ﷺ فرماتے ہیں کہ

"میرے دل میں احمد رضا خان صاحب کے لئے بے حد احترام ہے ... رسول صلی اللہ

علیہ وسلم کی بنا پر کہتے ہیں۔ کسی اور غرض سے تو نہیں کہتا"
(اختر شاہ جہان پوری' اعلیٰ حضرت کا فقہی مقام۔ مطبوعہ
لاہور 1971!

اب آپ خود غور فرمایئے کہ جس مسلمان کو کافر قرار دیا جا رہا ہے درجہ بالا اقتباسات سے اندازہ تو یہی ہوتا ہے کہ آپ نے کسی کو بھی کافر قرار نہیں دیا تھا تو میرے خیال میں اسی طرح یہ بات بھی مولانا تھانوی صاحب کو کہی گئی ہوگی۔ وہی شخص کافر قرار دینے والے شخص کو ایک عاشق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت سے کوئی سخت بات نہیں کرتا۔ میرے مطالعہ میں ایسی کوئی بات نہیں آئی کہ اعلیٰ حضرت کے متعلق مولانا تھانوی صاحب نے کوئی بد کلامی کی ہو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اعلیٰ حضرت کی مولانا تھانوی صاحب سے کوئی ذاتی پرخاش نہ تھی اور نہ ہی کوئی جھگڑا تھا۔

چنانچہ 1320ھ 1902ء میں "المعمد المستند" میں احتیاط تکفیر اور تمام حجت کے تکفیر کا ذکر کرتے ہوئے ایک جگہ تحریر فرمایا کہ

> "اُنھتر وجہ سے بحکم فقہائے کرام لزوم کفر کا ثبوت دے کر یہی لکھ چکا تھا کہ ہزار ہزار بار حاشا اللہ' میں ہرگز ان کی تکفیر پسند نہیں کرتا۔۔۔۔۔۔ جب تک ان سے کوئی ملاپ تھا' اب رنجش ہوگئی؟ جب ان سے جائیداد کی کوئی شرکت نہ تھی اب پیدا ہوگئی۔۔۔۔ حاشا اللہ' مسلمانوں کا علاقہ محبت و عداوت صرف محبت اللہ و رسول ہے۔ (حسام الحرمین' مطبوعہ لاہور۔ ص46)

اس کے علاوہ اعلیٰ حضرت کی حیات مبارکہ کا مطالعہ کرنے سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اعلیٰ حضرت کو مدینہ طیبہ سے والہانہ محبت تھی۔ جس کا اظہار آپ کی نعتوں میں جا بجا ملتا ہے۔ محبت کا اندازہ سطحی آرزوؤں سے نہیں ہوتا بلکہ ٹھوس تمناؤں سے ہوتا ہے۔ آج کل زائرین کا حال یہ ہے کہ حاضری کے وقت بھی وطن کی یاد ستاتی رہتی ہے۔ بہت کم ہیں کہ اس دیار میں مرنے کی تمنا لے کر جاتے ہیں۔ یہ دعا بھی نہیں کرتے کہیں قبول نہ ہو جائے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے ایک مکتوب گرامی جناب مولوی عرفان علی صاحب کو تحریر فرمایا۔ جو ظفرالدین صاحب نے سوانح حضرت جلد اول مطبوعہ کراچی کے صفحہ 316 پر نقل کیا ہے۔

یہ مکتوب 1332ھ 1913ء میں تحریر فرمایا گیا۔

"وقت مرگ قریب ہے اور میرا دل ہند تو ہند مکہ معظمہ میں بھی مرنے کو نہیں چاہتا ہے۔ اپنی خواہش یہی ہے کہ مدینہ طیبہ میں ایمان کے ساتھ موت اور بقیع مبارک میں خیر کے ساتھ دفن نصیب ہو اور وہ قادر ہے"

تکریم روضہ رسول کریم ﷺ میں اعلیٰ حضرت احمد رضا خان صاحب بریلوی علیہ الرحمتہ انور ابشارۃ فی مسائل الحج والزیارۃ مطبع لاہور ص 66 پر فرماتے ہیں۔ کہ

"خبردار! جالی شریف کو بوسہ دینے یا ہاتھ لگانے سے بچو کہ خلاف ادب ہے' بلکہ چار ہاتھ فاصلے سے زیادہ قریب نہ جاؤ۔ یہ ان کی رحمت کیا کم ہے کہ تم کو اپنے حضور بلایا' اپنے واجہ اقدس میں جگہ بخشی ان کی نگاہ کریم اگرچہ ہر جگہ تمہاری طرف تھی۔ اب خصوصیت اور اس درجہ قرب کے ساتھ ہے۔ الحمد اللہ"

اللہ کریم علیم و خبیر اپنے نیک بندوں جناب مولانا محمد نواز بٹ صاحب جنرل سیکرٹری رضا اکیڈمی چاہ میراں لاہور اور مولانا محمد ہمایوں قادری صاحب' غازی علم الدین شہید اکیڈمی پر اپنی رحمت فرمائے جنہوں نے مجھ عاصی و گناہ گار پر اس کتاب کی تیاری کے سلسلہ میں عنایات فرمائیں میں ان دونوں اصحاب کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔

از

احقر العباد

خاکپائے سگ سگان کوئے مدینہ

سید ارتضٰی علی کرمانی' عفی عنہ

اعلیٰ حضرت نے فرمایا!

آہ! آہ! آہ! اے اسلام کیا ہوئی تیری عزت؟ تیرے نام لیواؤں کی نگاہ سے کدھر گئی؟ ---- کیا ہوئی تیری حلاوت؟ انا اللہ وانا الیہ راجعون!

اے اپنی جان پر ظالمو! اے بھولے نادان مجرمو! کچھ خبر بھی ہے؟ ارے وہ اللہ قہار ہے جس نے تمہیں پیدا کیا جس نے تمہیں آنکھ' کان' دل' ہاتھ' پاؤں ---- لاکھوں نعمتیں دیں' جس کی طرف تمہیں پھر کر جانا اور ایک اکیلے تنہا' بے یار و بے وکیل' اس کے دربار میں کھڑے ہو کر روبکاری ہونا ہے --- اس کی عظمت' اس کی محبت' ایسی ہلکی ٹھہری کہ فلاں فلاں کو اس پر ترجیح دے لی؟ --- ارے اس کی عظمت' اس کے احسان' اس کے پیارے حبیب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے احسانات اگر یاد کرو تو وہ واللہ العظیم' باپ' استاد' پیر' آقا' حاکم' بادشاہ وغیرہ وغیرہ تمام جہان کے احسانات جمع ہو کر ان کے احسانوں کے کروڑویں حصے کو نہ پہنچ سکیں --- ارے وہ' وہ ہیں کہ پیدا ہوتے ہی اپنے رب کی وحدانیت" اپنی رسالت کی شہادت ادا فرما کر سب میں پہلی جو یاد آئی وہ تمہاری ہی یاد تھی --- یاد رکھو وہ آمنہ خاتون کی آنکھوں کا نور' نہیں نہیں' وہ اللہ رب العرش کے عرش کا تارا' اللہ نور السموت والارض کا نور' شکم پاک مادر سے جدا ہوتے ہی سجدے میں گرا ہے اور نرم و نازک' حزیں آواز سے کہہ رہا ہے

رب امتی امتی!

اے میرے رب! میری امت میری امت!

کیا کبھی کسی باپ' استاد' پیر' آقا' حاکم' بادشاہ نے بیٹے' شاگرد' مرید' غلام' نوکر' رعیت کا ایسا خیال کیا؟۔۔۔۔ ایسا درد رکھا؟ حاشا اللہ!

ارے وہ' وہ ہیں کہ اس پیارے حبیب رؤف الرحیم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کو جب قبر انور میں اتارا ہے لب ہائے مبارک جنبش میں فضیل' یا قثم بن عباس رضی اللہ عنھم نے کان لگا کر سنا ہے' آہستہ آہستہ عرض کر رہے ہیں:۔

رب امتی امتی!

اے رب میرے! میری امت' میری امت!

سبحان اللہ! پیدا ہوئے تو تمہاری یاد' دنیا سے تشریف لے گئے تو تمہاری یاد! کیا کبھی کسی باپ' استاد' پیر' آقا' حاکم' بادشاہ نے بیٹے' شاگرد' مرید' غلام' نوکر' رعیت کا ایسا خیال کیا؟ ایسا درد رکھا؟ استغفر اللہ!

ارے وہ' وہ ہیں کہ تم چادر تان کر' شام سے خراٹے لیتے صبح کی خبر لاتے ہو' تمہارے درد ہو' کرب ہو' بے چینی ہو' کروٹیں بدل رہے ہو۔۔۔۔ ماں' باپ' بھائی' بیٹا' بی بی' اقربا' دوست' آشنا' دو چار راتیں کچھ جاگے ہوئے' آخر تھک تھک جا پڑے اور جو نہ اٹھے اور بیٹھے بیٹھے اونگ رہے ہیں' نیند کے جھونکے آ رہے ہیں۔۔۔۔ اور وہ پیارا بے گناہ' بے خطا ہے کہ تمہارے لئے راتوں جاگا کیا' تم سوتے اور وہ زار زار رو رہا ہے' روتے روتے صبح کر دی ہے کہ:۔

رب امتی امتی!

اے میرے رب! میری امت' میری امت!

کیا کبھی کسی باپ' استاد' پیر' آقا' حاکم' بادشاہ نے بیٹے' شاگرد' مرید' غلام' نوکر' رعیت کا ایسا خیال کیا' ایسا درد رکھا؟۔۔۔۔ حاشا اللہ!

ارے ہاں' ہاں' درد' بیماری' مرض یا مصیبت میں ماں باپ کی محبت کا کیا جانچنا کہ ان میں تمہاری خطا نہ ماں باپ پر جفا' یوں آزماؤ کہ ماں باپ بے شمار نعمتوں سے ہمیں نوازیں اور تم نعمت کے بدلے سرکشی کرو نافرمانی ٹھانو' سو سو کہیں اور ایک نہ مانو' ماں سے برے باپ سے برے' رات دن برے' ہر وقت برے'۔۔۔۔۔ دیکھو تو ماں باپ کہاں تک تمہیں کلیجے سے لگاتے ہیں؟۔۔۔۔۔۔ مگر وہ پیارا' وہ مجسم رحمت' وہ نعمتوں والا' وہ ہمہ تن راحت ہے کہ تمہاری لاکھ لاکھ نافرمانیاں دیکھے' کروڑ کروڑ گنہگاریاں پائے اس پر بھی تمہاری محبت سے باز نہ آئے' دل تنگ نہ ہو' ترک نہ فرمائے۔۔۔۔ سنو وہ کیا فرما رہا ہے دیکھو تو۔۔۔ ۔۔وہ فرماتا ہے:۔

ھم الی' ھلم الی

(ارے میری طرف آؤ' ارے میری طرف آؤ)

مجھے چھوڑ کر کہاں جاتے ہو؟۔۔۔۔ دیکھو وہ فرماتا ہے۔ "تم پروانے کی طرح آگ پر گرے پڑے ہو اور میں تمہارا بند کمر پکڑے روک رہا ہوں"۔۔۔ ۔۔کیا کبھی کسی باپ' استاد' پیر' آقا' حاکم' بادشاہ نے بیٹے' شاگرد' مرید غلام' نوکر رعیت کا ایسا خیال کیا؟۔۔۔۔ ایسا درد رکھا؟۔ استغفراللہ!

ارے دنیا کی ساعت' تیر ہے۔ آنکھ بند کئے سویرا ہے۔ قیامت بہت جلد آنے والی ہے' جانتا ہے قیامت کیا ہے؟۔۔۔۔ یوم یفر المرء من اخیہ وامہ وابیہ وصاحبتہ و بنیتہ لکل امری منھم یومئذ شان یغنیہ

جس دن بھاگے گا آدمی اپنے بھائی' ماں' باپ' جورو' بیٹوں سب سے' ہر ایک اس دن اپنے ہی حال میں غلطاں و پیچاں ہو گا کہ دوسرے کا خیال بھی نہ لا سکے گا۔۔۔۔۔ اس دن جانیں کہ فلاح فلاں تیرے کام آ سکیں؟ حاشا اللہ!۔۔۔ ۔۔۔ واللہ العظیم اس دن وہی پیارا حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کام آئے گا اور اس کے سوا باقی انبیاء مرسلین

علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کو تو مجال عرض ہو گی نہیں، سب نفسی نفسی فرمائیں گے پھر اور کسی کی کیا حقیقت ہے؟ ہاں وہ پیارا، وہ بیکسوں کا سہارا، وہ بے یاروں کا یار" وہ شفاعت کی آنکھ کا تارا، وہ محبوب محشر آراء، وہ رؤف رحیم ہمارا ہمارا (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) فرمائے گا کہ:۔

انا لھا، انا لھا

میں ہوں شفاعت کے لئے، میں ہوں شفاعت کے لئے۔

اللہ انصاف! ان کے احسانوں میں جہاں میں کسی کے احسانوں کو کچھ نسبت ہو سکتی ہے؟ پھر کیسا سخت کفران ہے کہ جو ان کی شان میں بدگوئی کرے، تمہارے دل میں اس کی وقعت، اس کی محبت، اس کا لحاظ، اس کا پاس نام کو بھی باقی رہے۔

ببیں کہ از کہ بریدی و باکہ پیوستی!

الٰہی کلمہ گویوں کو سچا اسلام عطا کر، صدقہ اپنے حبیب کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وجاہت کا! (حسام الحرمین (خلاصہ فوائد فتویٰ)، مطبوعہ لاہور ص 74-78)

سیرت اعلیٰ حضرت رحمتہ اللہ علیہ

الحمد للہ رب العالمین و الصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین و خاتم النبین امابعد! اللہ تعالیٰ کی رحمت بے پایاں کی بدولت فقیر ایک عاشق رسول کریم صلی اللہ علیہ علیہ وسلم کی سیرت پاک پر قلم اٹھا رہا ہے۔ اعلیٰ حضرت کی ذات اقدس سے شائد ہی کوئی اہل اسلام ہو جو واقف نہ ہو۔ آپ ایک ایسی شخصیت تھے کہ آپ پر آپ کے کلام پر اور آپ کی تحریروں پر تاحال تحقیق ہو رہی ہے۔

جس طرح بعض مقتدر شخصیات کے صفاتی نام کچھ ایسے مشہور و معروف ہوتے ہیں کہ اصل نام ہی چھپ جاتا ہے۔ ایسا ہی ہمیں آپ کے نام میں معلوم ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت بابا فریدالدین مسعود رحمتہ اللہ علیہ کا نام خواص و عوام میں گنج شکر مشہور ہے۔ اسی طرح حضرت علی بن عثمان ہجویری کا نام خواص و عوام ہیں حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ مشہور ہے۔ بالکل اسی طرح آپ کا نام "اعلیٰ حضرت" کے طور پر مشہور ہے۔

مگر اس میں کچھ اس انداز سے جدت پیدا ہوئی کہ کسی نے بھی منہ سے اعلیٰ حضرت نکالا اور سننے والے نے مطلب آپ ہی کی ذات اقدس کو سمجھا۔ یعنی یہ ایک قسم کا معتبر نام ٹھہرا کہ بھلے کسی کو بھی اعلیٰ حضرت کہا جائے سننے والا یہی خیال کرے گا کہ شائد ذکر آپ ﷺ کا ہو رہا ہے۔

ولادت باسعادت

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب کی پیدائش سے قبل ایک صاحب حضرت مولانا رضا علی خان صاحب جو کہ آپ کے دادا جان تھے کے پاس حاضر ہوئے' انہوں نے آپ کے گوش گزار ایک خواب کیا جس میں ان کا ذکر بھی تھا۔ یعنی یہ خواب حضرت مولانا رضا علی خان صاحب سے ہی تعلق رکھتا تھا۔ چونکہ خوابوں کی تعبیر بتانے میں آپ ایک بلند درجہ رکھتے تھے اس لئے لوگ جب کوئی غیر معمولی خواب دیکھتے تو فوراً" آپ سے رجوع کرتے۔

روایت ہے کہ آپ نے خواب سن کر تبسم فرمایا اور ان صاحب سے فرمایا کہ بھائی ابھی اس خواب کی تعبیر بتلانے کا وقت نہیں آیا جب تعبیر ظاہر ہوگی تو ہم تمہیں خود ہی بتلا دیں گے۔ وہ صاحب یہ جواب سن کر خاموش رہے اور اسی انتظار میں رہے کہ ذرا دیکھیں تو اس خواب کی تعبیر کیا بر آمد ہوتی ہے۔

پھر جب اعلیٰ حضرت پیدا ہوئے تو حضرت رضا علی خان صاحب نے انہی صاحب کو طلب فرمایا اور ان کو بتلایا کہ اس دن جو تم نے خواب سنائی تھی یہی ہے اس کی تعبیر۔ ان صاحب کی تسلی و تشفی ہوگئی اور ان کو اپنے خواب کی تعبیر بھی مل گئی۔ وہ یہ واقعہ کافی عرصہ تک لوگوں کو سناتے رہے۔ حضرت رضا علی خان صاحب نے اسی مجلس میں فرمایا کہ "سنو! انشاء اللہ تعالیٰ بڑا زبردست عالم دین ہوگا اور اس سے دین بڑی دور تک پھیلے گا۔"

یہ بشارت سن کر تمام اہل خانہ میں خوشی کی لہر دوڑ گئی کہ ان کے گھر ایک ایسا عالم دین پیدا ہوا ہے' کہ جس کی بدولت ان سب کو عزت و تکریم حاصل ہوگی۔ آپ کی ولادت باسعادت 1856ء میں بریلی شریف میں ہوئی۔ یہ دور اہل اسلام کے لئے دور ابتلا سے کسی طرح کم نہ تھا۔ ملک میں عجیب قسم کی افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔ انگریز اپنی سیاست اور تدبیر کے ذریعہ پورے ہندوستان پر قبضہ کرتا چلا جارہا تھا۔

آپ کی ولادت کے محض ایک برس کے بعد ہی جنگ آزادی لڑی گئی اور اس میں فتح کے بعد انگریزوں نے اہل اسلام پر ظلم و بربریت کی انتہا کر ڈالی۔ کیونکہ اس جنگ میں فقط مسلمانوں نے ہی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ لازمی بات ہے کہ جب انگریز مکمل طور پر ہندوستان پر قابض ہو گیا تو اس نے مسلمانوں کو ہی نقصان پہنچانا تھا۔ ان پر آشوب حالات میں آپ کی ولادت با سعادت ہوئی۔

ایک بات اور عرض کرتا ہوں کہ ان حالات میں انگریزوں نے اہل اسلام میں تفرقہ ڈالنے کا منصوبہ بنایا اور اپنی مرضی کے علمائے دین کو اس سلسلہ میں خوب خوب استعمال کیا۔ لیکن قدرت کاملہ نے ان کے سدباب کے لئے ایک مرد جلیل اسی دور میں پیدا فرمایا۔ جس کی فہم و فراست ان سب سے بلند تر درجہ کی حامل تھی۔

آباؤ اجداد

مولانا حسنین رضا خان صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ "یہ روایت اس خاندان میں سلف سے چلی آ رہی ہے کہ اس خاندان کے مورث اعلیٰ' والیان قندھار کے خاندان سے تھے۔ شہزادہ سعید اللہ خاں صاحب ولی عہد حکومت قندھار کی والدہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ سوتیلی ماں کا دور دورہ ہوا تو انہوں نے اپنے بیٹے کے لئے ولی عہدی کی جگہ حاصل کرنے کے سلسلہ میں ان باپ بیٹوں میں اس قدر نفاق پیدا کروائے کہ شہزاد سعید اللہ خان صاحب کو جو کہ پہلے ولی عہد تھے اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور کر دیا گیا۔ ان کے ساتھ بوقت ہجرت چند احباب بھی تھے۔

یہ ساری جماعت دشوار گزار منزلیں کرتی ہوئی وارد لاہور ہوئی۔ لاہور کے گورنر نے دارالسلطنت دہلی اطلاع کروائی کہ قندھار کے ایک شہزادہ صاحب باہمی کشیدگی کی وجہ سے ترک وطن کر کے لاہور آئے ہیں۔ ہمارے لئے

کیا حکم ہے۔ ان کو حکم ہوا کہ شہزادے کی مہمان نوازی کی جائے اور ان کو عمدہ رہائش دی جائے۔ چنانچہ شاہی قلعہ میں واقع شیش محل برائے رہائش دیا گیا اور شاہی طور پر ان کی مہمان نوازی ہونے لگی۔ مگر کچھ ہی عرصہ کے بعد آرام طلبی سے گھبرا گئے اور عازم دہلی ہوئے۔ دہلی میں بھی ان کا پرتپاک استقبال ہوا اور ان کو فوج میں ممتاز عہدے پر فائز کر دیا گیا۔ جبکہ ان کے احباب کو بھی اعلیٰ فوجی عہدوں سے نوازا گیا۔

اس منصب کو آپ نے قبول فرمایا اور اپنے ماتحت سپاہیوں کی اعلیٰ پیمانے پر تربیت کرنے لگے۔ انہی ایام میں روہیل کھنڈ میں کچھ مفسد عناصر نے سرکشی اختیار کی۔ چنانچہ آپ کی ذمہ داری اس بغاوت کو فرو کرنے پر لگائی گئی۔ آپ نے بڑی فہم و فراست سے اس بغاوت کو کچل دیا۔ اس کے بعد آپ کو روہیل کھنڈ میں صوبہ دار مقرر کر دیا گیا۔ یہ عہدہ گورنر کے عہدہ کے برابر تھا۔ چنانچہ آپ اپنے اہل خانہ کے ہمراہ بریلی میں جو کہ روہیل کھنڈ کا صدر مقام تھا رہنے لگے۔ یہاں آپ کو ذاتی مصارف کے لئے ایک وسیع جاگیر بھی عطا ہوئی۔ مگر یہ جاگیر جنگ آزادی 1857ء کے بعد انگریزوں نے ضبط کر کے تحصیل ملک ضلع رام پور میں شامل کر دی۔ یعنی اس وقت اعلیٰ حضرت کی عمر سعید فقط ایک برس کی تھی۔

اس جاگیر کا مشہور اور وسیع موضع دھنیلی تھا۔ سعید اللہ خاں صاحب نے بریلی میں ہی سکونت کو اس لئے پسند کیا کہ اس دور میں کوہستان روہ کے چند پٹھان خانوادے وہاں آکر آباد ہو گئے تھے۔ جن کی وجہ سے سعید خان صاحب کو اپنے وطن کی یاد تازہ ہوتی رہتی تھی۔

پیرانہ سالی کی وجہ سے جب انہوں نے ملازمت کو خیرباد کہہ دیا تو پھر باقی ماندہ زندگی یاد الٰہی میں متوکلانہ گزار دی۔ پھر جب آپ نے وصال فرمایا تو آپ کو اسی میدان میں دفن کر دیا گیا۔ اس میدان کو بعد میں قبرستان بنا دیا گیا اور آپ کے مزار اقدس کو لوگوں نے شاہزادے صاحب کا تکیہ کہہ کر پکارنا

شروع کر دیا۔ یہ میدان اب معماران بریلی کے محلہ سے متصل ہے۔

سعید اللہ خان صاحب کے صاحبزادے سعادت یار خان دہلی دربار میں وزیر تھے اور انہوں نے دوران وزارت دو نشانیاں چھوڑیں ایک تو سعادت گنج بازار اور ایک نہر سعادت خان' حافظ کاظم علی خان صاحب کے دور میں مغلیہ سلطنت کا زوال شروع ہو گیا۔ آپ ابتر حالات کی وجہ سے دہلی سے لکھنؤ آ گئے جو کہ اودھ کا دارالحکومت تھا۔ مگر اودھ بھی انگریزوں کے زیر نگیں ہو گیا۔ حافظ کاظم علی خان صاحب کے دو صاحبزادے تھے اور دونوں کے نام جاگیریں تھیں یہ صاحبزادے مولانا رضا علی خان صاحب اور حکیم تقی علی خان صاحب تھے۔ حکیم تقی علی خان صاحب نے فن طب میں اعلیٰ درجہ کی مہارت حاصل کی اور ریاست جے پور میں طبیب خاص کا عہدہ حاصل کیا۔

مولانا رضا علی خان صاحب جو کہ اعلیٰ حضرت کے دادا تھے انہوں نے سب سے پہلے اس خاندان میں علم کی دولت حاصل کی علوم دینیہ کی تکمیل کے بعد انہوں نے سب سے پہلے جب مسند افتاء کو رونق بخشی تو خاندان کے ہاتھ میں تلوار کی جگہ قلم آ گیا۔ اب یہ خاندان ملک کی حفاظت کی بجائے دین کی حفاظت کی جانب متوجہ ہوا۔ حضرت رضا علی خان صاحب اپنے دور میں مرجع فتاویٰ رہے۔ انہوں نے خطبے جمعہ و عیدین لکھے جو آج کل خطبہ علمی کے نام سے ملک بھر میں رائج ہیں۔

خطبہ علمی کو رب العزت نے وہ شان قبولیت عطا فرمائی کہ آج تک کوئی خطبہ اس کی جگہ نہ لے سکا ہے اور نہ لے سکے گا۔ ان کے صاحبزادے مولانا نقی علی خان نے جب ان سے سند تکمیل حاصل کر لی تو افتاء اور زمینداری دونوں ان کے سپرد ہو گئے۔ مولانا نقی علی خان صاحب نے بھی علاوہ فتویٰ نویسی کے پچیس کتابیں تصنیف فرمائیں۔ جن میں سے کچھ ہی کتابیں شائع ہو پائیں۔ دو کتابیں آپ کی بے حد مقبول عام ہو گئیں ایک تو "سرور القلوب فی ذکر المحبوب" اور دوسری "جواہر البیان فی اسرار الارکان" ہے۔ یہ کتابیں بارہا شائع ہو چکی ہیں۔

یہ شہر کے رؤسا میں شمار کیے جاتے تھے اور ان کو ہندوستان کے بڑے بڑے علماء دین میں گنا جاتا تھا۔ تصنیفات کے علاوہ ان کا ایک لازوال شاہکار بھی اس دنیا میں موجود تھا اور وہ تھا اعلیٰ حضرت کی صورت میں۔ یہ شاہکار آپ ہی کی تربیت کا نتیجہ تھا اعلیٰ حضرت کی تعلیم و تربیت ہی وہ شاہکار ہے جو ان کا نام صدیوں تک زندہ رکھنے کے لئے کافی ہے۔

مولانا نقی علی خان صاحب بھی اپنے وقت میں مرجع فتاویٰ تھے مگر اعلیٰ حضرت نے ان کو اپنی کم سنی ہی میں فتویٰ نویسی سے سبکدوش کر دیا یوں ہوا کہ فقط 11 برس کی عمر میں اعلیٰ حضرت نے سند تکمیل حاصل کی اور مسند افتاء پر بٹھا دیئے گئے۔ آپ کی مسند افتاء پر رونق افروز ہونے سے آپ کے والد ماجد افتاء کی جانب سے مکمل مطمئن ہوگئے۔ اب وقت آیا کہ وہ اپنے باغ کی بہار دیکھتے۔ اسی دوران ان پر سحر کا اثر ہوا مگر روحانی قوت کی وجہ سے اثرات کم رہے۔ یونہی چار برس تک کشمکش چلتی رہی۔ اسی دور میں وہ بیعت و خلافت سے سرفراز ہوئے اور اسی حالت میں حج بیت اللہ شریف کیا اور روضتہ الرسول میں حاضری کی سعادت حاصل کی ان سفروں میں اعلیٰ حضرت بھی ہمراہ تھے۔

ان فرائض سے فارغ ہو کر حضرت مولانا نقی علی خان صاحب 1297ھ میں اس عالم فانی سے کوچ فرما گئے۔

اس گھرانے کے شاہی خاندان سے ہونے کی بعض نشانیاں تھوڑی بہت بفضل تعالیٰ اب تک باقی ہیں۔ اس خاندان کی غیر معمولی ذہانت اور عالی دماغی، خودداری اور سیرچشمی، جرات اور بہادری، صبر و استقلال، بے لوث خدمت خلق، عام ہمدردی ایسے اوصاف حمیدہ ہیں جو تاحال اللہ تعالیٰ نے اس خاندان کو عطا کر رکھے ہیں اور خاص طور پر اعلیٰ حضرت کی ذات اقدس میں تو یہ تمام اوصاف حمیدہ ابتداء سے تادم وصال، ہند سے عرب تک لاکھوں فرزندان توحید نے چھلکتے دیکھے۔ جس نے زیادہ قریب سے مشاہدہ کیا اس نے زیادہ فیض حاصل کیا۔

اعلیٰ حضرت کو اللہ تبارک تعالیٰ نے دین متین کی خدمت کے لئے ہی پیدا فرمایا تھا اور نظام قدرت میں انہیں اس صدی کا مجدد بنایا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی طبع کو ابتدا ہی سے شریعت کے پیکر میں ڈھالا گیا۔ اس بات کا ان کو بہت پہلے ہی سے شعور حاصل تھا۔ اس لئے آپ کم سنی میں ہی اچھے اور برے میں تمیز کرنے لگے تھے۔ کم سنی ہی سے آپ کا ہر قول' عمل' جلال و سکون دوسروں کی طرح نہ تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کو ابتداء سے ہی تائید غیبی حاصل تھی۔

اس عطائے ربی کی وجہ سے آپ نے پوری زندگی دین متین کی خدمت میں ہی گزار دی اور رب العزت بھی آپ کی ہر قدم پر مدد فرماتا رہا۔ دینی خدمات میں انہماک جو کہ آپ کو ابتدا سے حاصل تھا ہر شخص بخوبی اندازہ کر سکتا تھا کہ یہی آپ کا مقصد حیات ہے اور تائید غیبی سے لوگوں کو یقین ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ بھی آپ سے یہی کام لینا چاہتا ہے۔ اس سلسلہ میں آپ کو اللہ تعالیٰ نے اسباب بھی فراہم فرما دیئے تھے۔ جاگیر موجود تھی۔ جس کی آمدن سے آپ اپنے اور اپنے خاندان کی کفالت کے سلسلہ میں کلی طور پر مطمئن تھے۔

چونکہ آپ بھائیوں میں سب سے بڑے تھے اس لئے خاندان کا ہر فرد آپ کا احترام کرتا تھا۔ میں تو یہی کہوں گا کہ آپ کا ادب اللہ تعالیٰ کے حکم سے کیا جاتا تھا۔ کیونکہ کوئی بھی کام بغیر مشیت الٰہی پایہ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتا۔

آپ کے صاحبزادگان' مخلص احباب اور مریدین نے آپ کا خوب ساتھ نبھایا جبکہ قدرت کاملہ نے آپ کو عمدہ ترین ذہن' اعلیٰ حافظہ' مضبوط دل و دماغ' روشن ضمیری' حواس ظاہری و باطنی ایسے عطا فرمائے جو عام انسانوں کے قویٰ سے بہت بالا تھے اور جرات و دلیری بھی آپ کے خون میں ایسی تھی کیونکہ آپ پٹھان تھے اور آپ کے آباؤ اجداد تلوار کے دھنی تھے۔

آپ ابتدا ہی سے غیور تھے یہ اوصاف حمیدہ اسی لئے قدرت کاملہ نے آپ کو عطا فرمائے کہ آپ سے فرائض مجددیت کی تکمیل چاہئے تھی۔ جس میں

خوف و جھجک کو دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔ اعلیٰ حضرت نے فرائض مجددیت کو اس عمدگی سے انجام دیا کہ اللہ اور رسول کریم ﷺ کو راضی کر لیا۔ آپ کی وجہ سے بے شمار سنتوں کا احیا ہوا' بدعتوں کو مٹایا' فتنوں کا سدباب کیا اور فتنہ پردازوں کو تاقیامت بے نقاب کر دیا۔

آپ کی دینی خدمات تو اپنی جگہ مسلم ہیں۔ مگر علمی مشاغل کا یہ عالم تھا کہ مشرق و مغرب کے تمام تر مروجہ و غیر مروجہ علوم بھی آپ کی دسترس میں تھے۔ اردو' فارسی اور عربی میں ان علوم پر مبنی آپ کی تصانیف شائع ہو چکی ہیں۔ آپ کی دینی و علمی خدمت کی کثرت کی وجہ سے رب کریم نے آپ کو اس قدر نوازا کہ ایک زمانہ آپ کا گرویدہ ہو گیا۔ مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ کے اکثر علماء کرام بھی آپ سے عقیدت رکھتے تھے۔ جس کا ثبوت انہوں نے اعلیٰ حضرت کی کتاب "حسام الحرمین" کی تقاریظ میں تحریر کیا ہے۔ ان تقاریظ میں ان علمائے گرامی نے آپ کے بڑے بڑے مناسب جلیلہ تحریر فرمائے ہیں۔ ان تقاریز کو دیکھ کر یہ اندازہ بخوبی ہو جاتا ہے کہ مکہ اور مدینہ کے علمائے دین نے بحکم الٰہی آپ کی عزت افزائی فرمائی۔ کیونکہ نہ تو اس سے پہلے اور نہ ہی بعد میں کسی اور عالم دین کو یہ عزت و تکریم حاصل ہوئی۔ بڑے سے بڑا عالم دین بھی ان علمائے دین کے سامنے طفل مکتب بنا نظر آتا ہے۔ کیونکہ عربی زبان پر ان کی دسترس حاصل ہے وہ کسی غیر عربی کو تو حاصل نہیں ہو سکتی۔ مگر انہی اہل زبان میں جب ایک عاشق رسول کریم ﷺ پہنچتا ہے تو ان کو یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس کی تعظیم کرنا لازم ہے۔

اعلیٰ حضرت کی اس قدر شان اور اس قدر تکریم دیکھ کر بعض حاسدین نازیبا الزامات پر اتر آئے مگر آپ کی شان پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا کیونکہ اللہ تبارک تعالیٰ کا ارشاد عالیشان ہے کہ

ترجمہ : "اور اللہ ہی عزت دینے والا اور ذلت دینے والا ہے۔"

چنانچہ اعلیٰ حضرت اس قدر عزت افزائی پر اللہ کریم کا شکر ادا کرتے

رہے اور حاسدین اپنے ہی حسد کی آگ میں چلتے رہے۔ ایک انسان کا اس قدر عروج اس کو بے انتہا محسود خلائق بنا دیتا ہے۔ اس سے حاسد دنیا بے انتہا حسد محسود کرنے لگتی ہے اس محسوس خلائق میں اگر کوئی برائی نہیں ملتی تو خبیث خلائق اس کے لئے دل سے عیوب تراشنے لگتی ہے اور اپنی اس گندگی کو خوب اچھالتی ہیں بالکل یہی اعلیٰ حضرت کے ساتھ بھی ہوا اور اب تلک ہو رہا ہے اور آئندہ بھی ہوتا رہے گا۔ یہ تو دنیا کا روز مرہ ہے کہ کسی نان شبینہ کے محتاج کو اگر دو وقت کی روٹی ملنے لگے تو لوگ اس سے حسد کرنے لگتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت کو جو عظیم ترین دولت دین و دنیا بہ صدقہ رسول کریم ﷺ رب العزت عزوجل نے عطا فرمائی' وہ علوم کی کثرت اور بے حد و حساب عزت و وقار اور بہت ہی زیادہ دینی خدمات کی فراواں دولت تھی۔ اس سے لازمی طور پر حسد کے بلند شعلے بھڑکنا ہی تھے اور وہ بھڑک اٹھے اور منظر عام پر آگئے۔ اسی طرح آئندہ بھی بھڑکتے نظر آتے رہیں گے۔ اس لئے کہ جب تک دین باقی ہے آپ کی دینی خدمات کو دنیا کسی طرح فراموش نہیں کر سکتی اور جب کی آپ عظمت کی بات ہوگی تو حاسد بے قابو ہو کر آپ کے خلاف دریدہ دہنی کا ثبوت تو دیں گے۔ ایک شاعر نے کیا خوب کہا کہ ؎

حاسد' حسد کی آگ میں یونہی جلا کرے
وہ شمع کیا بجھے' جسے روشن خدا کرے

* @ * @ *

اولاد امجاد

فاضل بریلوی کے یہاں دو صاحب زادے اور پانچ صاحبزادیاں تولد ہوئیں (حیات اعلیٰ حضرت' ص 18) دونوں صاحبزادگان اپنے وقت کے عالم جلیل ہوئے۔ بڑے صاحبزادے مولانا حامد رضا خاں ماہ ربیع الاول 1292ھ 1875ء میں بریلی میں پیدا ہوئے' محمد نام اور عرف حامد رضا تجویز کیا گیا' کتب معقول و منقول والد ماجد سے پڑھیں۔ 19 سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہوئے' عربی ادب پر بڑا عبور حاصل تھا چنانچہ رسالہ الاجازاۃ المتینہ کا عربی مقدمہ اس حقیقت پر شاہد ہے۔ اس کے علاوہ رسالہ الدولتہ المکیہ اور الفیوضاۃ المکیہ کا کامیاب اردو ترجمہ کیا ہے۔ 70 برس کی طویل عمر پائی' 23 سال والد ماجد کے جانشین رہے برسا برس دارالعلوم منظر اسلام میں درس حدیث دیا' علم و فضل میں اپنے والد ماجد کا آئینہ تھے فاضل بریلوی آپ سے بڑی محبت فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک جگہ فرمایا "حامد منی انا من حامد"

مولانا حامد رضا خاں صاحب تصنیف بزرگ تھے۔ مسئلہ ختم نبوت پر رسالہ الصارم الربانی علی اسراف القادیانی' مسئلہ اذان پر سد الفرار طبع ہو چکے ہیں رسالہ ملاجلال کا حاشیہ قلمی صورت میں محفوظ ہے' نعتیہ دیوان اور مجموعہ فتاویٰ حال ہی میں شائع ہو چکے ہیں۔

مولانا حامد رضا خاں نے 17 جمادی الاول 1362ھ 1942ء کو عین حالت نماز میں وصال فرمایا انا للہ وانا الیہ راجعون

دوسرے صاحبزادے مولانا مصطفیٰ رضا خاں 22 ذی الحجہ 1310ھ 1892ء کو پیدا ہوئے ان کا نام محمد رکھا گیا اور عرفی نام مصطفیٰ رضا تجویز کیا گیا۔ ابتداء میں برادر بزرگ سے تعلیم حاصل کی۔ پھر مولانا شاہ رحیم الٰہی منگوری سے خاص طور پر مستفید ہوئے۔ (محمود احمد قادری: "تذکرہ علماء اہل سنت" مطبوعہ اسلام آباد۔ بھوانی پور (مظفرپور) ص 223) اس کے بعد والد ماجد سے علوم دینیہ کی تکمیل کی۔

مولانا مصطفیٰ رضا خاں نے اشاعت و تبلیغ اسلام اور تحریک پاکستان کے سلسلے میں اہم کردار ادا کیا۔ چنانچہ 1343ھ 1924ء میں شردھانند کی فتنہ ارتداد کا مقابلہ کیا اور تبلیغی مشن میں مقیم رہے۔ 1366ھ 1946ء میں تحریک پاکستان کی حمایت کے سلسلے میں آل انڈیا سنی کانفرنس (جمہوریت اسلامیہ مرکزیہ) کے اجلاس میں شریک ہوئے اور اسلامی حکومت کے لائحہ عمل کی تشکیل کے لئے جو کمیٹی بنائی گئی تھی اس کے ایک اہم رکن تھے۔ (غلام معین الدین نعیمی: حیات صدر الافاضل، مطبوعہ لاہور، ص190,180)

مولانا مصطفیٰ رضا خاں بفضلہ تعالیٰ بقید حیات ہیں اور بریلی میں بیعت وارشاد اور فتویٰ نویسی کے فرائض بحسن و خوبی انجام دے رہے ہیں۔ الفتاوی المصطفویہ آپ کی علمی یادگار ہے۔

فاضل بریلی کے بیشمار خلفا تھے جو پاک و ہند اور حرمین شریفین میں پھیلے ہوئے تھے۔۔۔۔۔ الاجازات المتینہ کے مطالعہ سے حرمین شریفین میں آپ کے خلفاء کی تعداد کا ایک سرسری اندازہ ہوتا ہے۔ فاضل بریلوی نے سات مختلف سندیں تحریر فرمائیں جو صاحب اجازت کے نام اور مرتبے کے لحاظ سے معمولی ترمیم و اضافہ کے ساتھ عنایت کی گئیں۔

(الف) پہلی سند شیخ محمد عبدالحئی بن الشیخ الکبیر السید عبدالکبیر الکتانی الحسنی کو عنایت فرمائی۔

(ب) دوسری سند شیخ اسماعیل خلیل کے لئے مرحمت فرمائی۔ پھر معمولی ترمیم

واضافے کے ساتھ ان حضرات کو مرحمت فرمائی۔
(2) شیخ مصطفیٰ خلیل (3) شیخ امون البری المدنی (4) شیخ اسعد الدھان (5) شیخ عبدالرحمان (6) شیخ عبدبن حسین مفتی مالکیہ (7) شیخ علی بن حسین (8) شیخ جمال بن محمد الامیر (9) شیخ عبداللہ بن ابی الخیر (10) شیخ عبداللہ دحلان (11) شیخ بکر رفیع (12) شیخ ابی حسین مرزوقی (13) شیخ حسن العجمی (14) شیخ الدلائل سید محمد سعید (15) شیخ عمر المحروسی (16) شیخ عو مر بن حمدان

(ج) تیسری سند شیخ احمد خضراوی المکی کو عنایت فرمائیں۔

(د) چوتھی سند ضروری ترمیم و اضافے کے ساتھ ان حضرات کو عنایت فرمائیں۔

(18) شیخ ابوالحسن المرزوقی (19) شیخ حسین المالکی (20) شیخ علی بن حسنین (21) شیخ محمد جمال (22) شیخ صالح کمال (23) شیخ عبداللہ میرداد (24) شیخ احمد ابی الخیر میرداد (25) سید سالم بن عیدروس (26) سید علوی بن حسن (27) سید ابوبکر بن سالم (28) شیخ محمد بن عثمان دحلان (29) شیخ محمد یوسف۔

(ھ) پانچویں سند (30) شیخ عبدالقادر کو عنایت فرمائی۔

(و) چھٹی سند (31) محمد بن سید ابی بکر الرشید کو مرحمت فرمائی۔

(ز) ساتویں سند (32) شیخ محمد سعید بن سید محمد المغربی کو عنایت فرمائی۔

یہ وہ علماء حرمین ہیں جن کو تحریر اجازت نامے عنایت فرمائے بہت سے حضرات کو زبانی اجازت مرحمت فرمائی کہ ان کی تعداد کا علم نہیں۔

حرمین شریفین کے علاوہ پاک و ہند میں بھی فاضل بریلی کے بکثرت خلفاء ہیں جن حضرات کے اسمائے گرامی معلوم ہو سکے وہ یہ ہیں:۔

(1) مولانا حامد رضا خاں (2) مولانا مصطفیٰ رضا خاں (3) مولانا محمد ظفر الدین بہاری (4) مولانا سید دیدار علی شاہ (5) مولانا امجد علی اعظمی (6) مولانا نعیم الدین مراد آبادی (7) مولانا احمد اشرفی جیلانی (8) مولانا احمد مختار صدیقی (9) مولانا عبدالاحد قادری (10) مولانا عبدالعلیم صدیقی میرٹھی (11) مولانا محمد

رحیم بخش آروی (12) مولانا لعل محمد خاں مدراسی (13) مولانا عمر بن ابوبکر (14) مولانا ضیاء الدین احمد مہاجر مدنی (15) مولینا محمد شفیع بیسلپوری (16) مولانا محمد حسنین رضا خاں (17) مولانا محمد شریف کوٹلی لوہاراں (18) مولانا امام الدین کوٹلی لوہاراں (19) مولانا مفتی غلام جان ہزاروی (20) مولانا احمد احسین امروہوی (21) مولانا عبدالسلام جبل پوری (22) مولانا برہان الحق محمد عبدالباقی جبل پوری (23) سید فتح علی شاہ (یہاں تک تمام تفصیلات مولانا بدرالدین احمد کی تالیف سوانح اعلیٰ حضرت (ص 302 سے ماخوذ ہیں۔ (24) مولانا ابوالبرکات سید احمد قادری (25) مولانا عمرالدین ہزاروی (26) مولانا شاہ محمد حبیب اللہ قادری (والد ماجد مولانا شاہ محمد عارف اللہ قادری) (27) مولانا میر مومن علی مومن جنیدی (28) پروفیسر سید سلیمان اشرف (29) قاری محمد بشیرالدین جبل پوری

فاضل بریلوی کے تلامذہ کی فہرست بھی بہت طویل ہے۔ بیشتر تلامذہ پاک و ہند میں آفتاب و ماہتاب بن کر چمک اور ملک کے طول و عرض میں پھیل کر فاضل بریلوی کے پیغام کو دور دور پہنچایا۔ تحریک پاکستان میں بھی آپ کے تلامذہ نے مثبت اور اہم کردار ادا کیا۔ کسی فاضل کو اس طرف توجہ کرنی چاہیے۔ فاضل بریلوی کے جن تلامذہ کے اسماء گرامی معلوم ہو سکے وہ یہ ہیں:۔

(1) مولانا حسن رضا خاں (2) مولانا محمد رضا خاں (3) مولانا حامد رضا خاں (4) مولانا سید احمد اشرف کچھوچھوی (5) مولانا محمد جیلانی کچھوچھوی (6) مولینا ظفرالدین بہاری (7) مولینا عبدالواحد چپلی بھیتی (8) مولینا حسنین رضا خاں (9) مولینا سلطان احمد خاں (10) مولینا سید امیر احمد (11) مولینا حفاظ یقین الدین (12) مولینا حافظ عبدالکریم (13) مولینا سید نور احمد چاٹگامی (14) مولینا منور حسین (15) مولینا واعظ الدین (16) مولینا عبدالرشید عظیم آبادی (17) مولینا شاہ غلام محمد بہاری (18) مولینا حکیم عزیز غوث (19) مولینا نواب مرزا وغیرہ وغیرہ

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا بچپن

مشہور ہے کہ اللہ تبارک کے منتخب بندوں کا بچپن ان کی جوانی ہی کی تصویر ہوا کرتا ہے۔ یہ نہیں کہ ایام بچپن میں تو موصوف نامناسب کھیل کود میں معروف رہتے ہوں اور جوانی میں ولایت کا درجہ حاصل کر لیں' حالانکہ ایسے واقعات بھی ہمیں اسلامی تاریخ تصوف میں چند ایک ملتے ہیں مگر ان واقعات میں بھی کسی پیدائشی ولی کامل کی نظرکرم ہی کے طفیل ایسا ہوا ہوتا ہے۔ورنہ عام طور پر اولیائے کرام کا بچپن ہی بتا دیتا ہے کہ یہ بچہ بڑا ہو کر اپنے وقت کا ولی کامل ہو گا۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمتہ کا بچپن بھی تقریباً اسی انداز میں گزرا۔ آپ نے کبھی اپنے ہم عمر بچوں کے ساتھ کھیل کود میں حصہ نہ لیا۔ بس اس قدر ضرور تھا' کہ محلہ کے بچے اگر آپ کے گھر میں کھیلنے چلے آتے تو آپ ان کو کھیلتا کودتا دیکھتے ضرور' کیونکہ آپ کے بہن بھائی بھی ان کے ساتھ شریک ہوا کرتے تھے۔

بہن بھائی

اعلیٰ حضرت احمد رضا خان صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے دو بھائی اور تین بہنیں تھیں۔ سب سے چھوٹی ہمشیرہ کا انتقال عین جوانی میں ہو گیا۔ آپ کی دو

بہنیں بڑی تھیں اور ایک سب سے چھوٹی جبکہ آپ کے دونوں چھوٹے بھائی آپ سے چھوٹے تھے۔ اعلیٰ حضرت کا برتاؤ سب سے کچھ ایسا تھا کہ خاندان کا ہر فرد بلا تخصیص آپ کی تکریم کیا کرتا تھا۔

حضرت نقی علی خان صاحب جب تک حیات رہے' اپنے لخت جگر کی ضروریات کا خود ہی خیال فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ کی خوراک اور لباس کا انتظام و اہتمام بھی انہوں نے اپنے ذمہ لے رکھا تھا۔ مگر ابھی اعلیٰ حضرت نوجوان ہی تھے کہ والد گرامی وصال فرما گئے۔ جس کی وجہ سے جاگیر کا تمام تر کام آپ کو دیکھنا پڑا۔ یہ ذمہ داری آپ کے مزاج سے مطابقت نہ رکھتی تھی۔ چنانچہ فقط دو برس کے بعد ہی اس ذمہ داری کو اپنے چھوٹے بھائی مولانا حسن رضا خان صاحب کے سپرد کر کے خود کو دینی امور کے لئے مخصوص کر لیا۔

بات ہو رہی تھی آپ کے بچپن کی۔ چونکہ اس زمانے میں بچے پتنگ بھی اڑایا کرتے تھے' اس لئے یہ کوئی معیوب بات نہیں خیال کی جاتی تھی۔ مگر اعلیٰ حضرت کو پتنگ بازی کے لئے تو پیدا نہیں کیا گیا تھا۔ اگر کبھی کبھار کوئی پتنگ کٹ کر آپ کے گھر میں گر جاتی تو آپ اس کو اٹھا کر اپنے والد گرامی کی چارپائی کے نیچے رکھ دیتے۔ وہ جب سونے کے لئے آتے تو اس پتنگ کے بارے میں دریافت کرتے سن کر بتایا جاتا کہ آپ نے رکھی ہے تو آپ بیساختہ فرماتے کہ ہاں بھی اس کو اللہ تعالیٰ نے لہو و لعب کے لئے تو پیدا ہی نہیں فرمایا ہے۔

بچپن کے چند یادگار واقعات

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی زبان ابتدا ہی سے بڑی صاف ستھری تھی جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے کہ بچے چھوٹی عمر میں الفاظ کو درست تلفظ سے ادا نہیں کر پاتے مگر اعلیٰ حضرت کے ساتھ ایسا کچھ نہیں تھا۔ غلط الفاظ آپ ذہن مبارک سے کبھی ادا ہی نہیں ہوئے تھے۔

ایک دن یوں ہوا کہ آپ اپنے استاد صاحب سے کلام اللہ شریف

پڑھ رہے تھے استاد صاحب نے ایک جگہ کچھ اعراب بتایا آپ نے استاد کے بتانے کے خلاف پڑھا۔ استاد محترم نے دو بارہ سختی سے کہا کہ جیسا میں کہتا ویسا پڑھیں مگر آپ نے حسب سابق پڑھا۔

آپ کے والد گرامی قریب ہی تشریف رکھتے تھے۔ ان سے نہ رہا گیا اور انہوں نے آپ سے سپارہ پکڑ کر خود ملاحظہ کیا تو استاد محترم کو درست پایا۔ مگر ان کو اپنے ہونہار بیٹے کی صلاحیت بخوبی معلوم تھی۔ وہ جانتے تھے کہ یہ کوئی معمولی بچہ نہیں ہے۔ انہوں نے کلام اللہ شریف منگوایا تاکہ مکمل طور پر تشفی ہو سکے۔ جب کلام اللہ شریف میں دیکھا گیا تو استاد صاحب بھی حیران رہ گئے کہ جس تلفظ سے اعلیٰ حضرت نے پڑھا تھا کلام اللہ شریف میں بالکل ویسے ہی تھا۔ جس کا یہ مطلب تھا کہ سیپارے میں کتابت کی غلطی تھی۔

آپ کے والد گرامی نے بڑے فخر سے اپنے بیٹے پر نظر ڈالی اور دریافت کیا کہ

"کیا بات ہے! تمہیں جو تمہارے استاد بتلاتے تھے وہی اعراب تو تمہارے سپارے میں بھی تھے۔ پھر تم نے کیوں ان کے موافق نہیں پڑھا۔"

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمتہ نے عرض کیا۔

"بابا جان! میں نے بار بار ارادہ کیا کہ استاد گرامی کے کہنے کے موافق پڑھوں مگر زبان نے ساتھ نہ دیا۔"

لائق ترین پسر عزیز کا ایمان افروز جواب سن کر جہاندیدہ اور صاحب نظر پدر بزرگوار آبدیدہ ہوگئے اور انہوں نے اللہ کریم کا شکر ادا کیا آپ جیسا فرزند ارجمند عطا فرمایا۔ ان کو صاف نظر آگیا کہ آج کا نو عمر بچہ یقیناً کل کا مجدد بننے والا ہے۔ یہی حال استاد محترم کا بھی تھا۔ جس کو استاد صاحب ایک چھوٹا سا بچہ سمجھ کر پڑھاتے تھے وہ تو نہایت کم عمری میں ان کا بھی استاد نکلا۔ ان کو بھی بخوبی اندازہ ہوا کہ یہ بچہ کل کسی بلند مرتبہ پر فائز ہوگا۔

ایک اور واقعہ بھی بڑا یادگار ہے۔ ہوا یوں کہ ایک روز صبح سویرے آپ مکتب میں حسب معمول پڑھ رہے تھے' کہ ایک آنے والے بچے نے استاد صاحب کو السلام علیکم کہا۔ استاد صاحب نے جواب دیا۔

"جیتے رہو"

"یہ تو جواب نہ ہوا۔ استاد محترم" اعلیٰ حضرت جلدی سے بول اٹھے۔

"اچھا! پھر اس کا جواب کیا ہوا" استاد محترم نے خفت چھپاتے ہوئے پوچھا۔ تمام بچے ان دونوں کی طرف پوری طرح متوجہ ہو چکے تھے اور اس بات کو اعلیٰ حضرت کی گستاخی تصور کر رہے تھے۔

"استاد محترم! اس کا جواب ہے۔ وعلیکم السلام" اعلیٰ حضرت نے متانت سے جواب دیا۔

"واہ میرے بیٹے واہ! تم یقیناً دین کا نام روشن کرو گے۔ اللہ تمہیں توفیق و قوت عطا فرمائے" استاد صاحب نے بجائے ناراض ہونے کے آپ کو دعاؤں سے نوازا۔

اسی قسم کی چھوٹی چھوٹی شرعی غلطیوں پر آپ بچپن ہی میں بلاجھجک بول دیا کرتے تھے۔ یوں لگتا تھا کہ شرعی امور میں غلطی کی اصلاح قدرت کاملہ نے آپ کی فطرت ثانیہ بنادی تھی۔ یہی بات میں نے پہلے عرض کی تھی کہ جن لوگوں سے اللہ کریم نے دین کی اصلاح کا کام لینا ہوتا ہے ان کی تربیت ابتدا سے ہی نہایت اعلیٰ درجہ سے کی جاتی ہے۔

آپ کی پرورش ایسے ماحول میں ہو رہی تھی کہ جس میں زیادہ تر وقت دینی مسائل کی بابت گفتگو ہوتی رہتی تھی۔ آپ کا زیادہ تر وقت اپنے والد گرامی کی صحبت میں گزرتا تھا۔ آپ زیر بحث مسائل کو بڑے غور سے سنتے اور بعض اوقات آپ بول اٹھتے کہ جناب عالی مسئلہ یوں ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

جب آپ کم سن تھے تبھی سے آپ کی یہ عادت شریفہ رہی تھی کہ آپ غیر محرم خواتین سے پردہ کر لیا کرتے تھے۔ اگر گھر میں کبھی اچانک آپ داخل ہوتے اور وہاں غیر محرم خواتین کو بیٹھا دیکھتے تو فوراً اپنے کرتے سے چہرہ مبارک کو چھپا کر ایک طرف نکل جاتے۔ یہ طرز عمل دیکھ کر آپ کی والدہ محترمہ نہال ہو جاتیں اور ڈھیروں دعاؤں سے نوازتیں۔

بچپن میں پہلا روزہ

اعلیٰ حضرت نے پہلے روزہ نہایت کم سنی میں رکھا۔ آپ کی روزہ کشائی کی تقریب کا خصوصی اہتمام کیا گیا۔ پورے خاندان اور حلقہ احباب کو آپ کے والد گرامی نے افطار پر مدعو کیا۔ قسم قسم کے طعام تیار کروائے گئے۔ اس میں فرنی بھی تھی۔ جس کو پیالوں میں ڈال کر ایک کمرے میں ٹھنڈا ہونے کے لئے رکھوا دیا گیا۔

یہ رمضان المبارک سخت گرمی کے موسم میں آئے تھے۔ آپ نے پہلا روزہ بڑے جوش و خروش سے رکھا تھا۔ مگر عین دوپہر میں بھوک اور پیاس نے نڈھال کر کے رکھ دیا۔ کیونکہ یہ فطری بات تھی اور والد گرامی یہ بات بخوبی سمجھتے تھے کہ چھوٹا سا بچہ ہے نجانے کس قدر وقت برداشت کر پائے گا۔ انہی خیالات کے زیر اثر انہوں نے زیادہ تر وقت آپ کے مشاہدے میں ہی گزارا۔ جب انہوں نے یہ دیکھا کہ اب بچے میں برداشت ختم ہوتی جا رہی ہے تو آپ کو لے کر اس کمرے میں چلے گئے جہاں فرنی کے پیالے رکھے ہوئے تھے۔ اندر سے کواڑ بند کر کے ایک ٹھنڈا پیالہ اعلیٰ حضرت کو دیا اور فرمایا کہ

"لو میاں! یہ کھاؤ"

"مگر بابا جان! میرا تو روزہ ہے" ننھے احمد رضا خان نے بڑی حیرت سے عرض کیا۔

"ہاں ہاں! مجھے معلوم ہے۔ مگر بچوں کے روزے تو یونہی ہوا کرتے

ہیں۔ جلدی سے کھالو اس وقت نہ تو کوئی دیکھ رہا ہے نہ کوئی آہی سکتا ہے۔ والد گرامی نے شفقت پدری سے مجبور ہو کر کہا۔

"بابا جان! جس کا روزہ ہے وہ تو دیکھ رہا ہے" اعلیٰ حضرت نے دانشمندانہ انداز میں فرمایا۔

معصوم بچے کی عالمانہ بات سن کر صاحب نظر باپ کو یقین ہو گیا کہ میرا یہ بیٹا اس عہد کو تاحیات فراموش نہیں کرے گا۔ جس کو بھوک پیاس کی شدت میں کمزوری اور کم سنی میں ہر فرض کی فرضیت سے پہلے عہد وفا کی فرضیت کا اس قدر لحاظ و پاس ہے۔

مولانا حسنین رضا خان صاحب فرماتے ہیں کہ

"روزے کی قضا کے بارے میں نہ ان کے کسی بڑے کی زبانی سنا نہ کسی برابر والے نے بتلایا نہ ہم چھوٹوں نے کبھی ان کو ماہ مبارک کا کوئی روزہ قضا کرتے دیکھا۔ بعض مرتبہ ماہ مبارک میں علیل بھی ہو جاتے مگر اعلیٰ حضرت نے کبھی روزہ نہیں چھوڑا تھا۔ اگر کسی نے اس پر اصرار بھی کیا کہ اس حالت میں روزے سے نقاہت اور بڑھے گی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ مریض ہوں تو علاج نہ کروں۔ لوگوں نے تعجب سے پوچھا کہ جناب کیا روزہ بھی علاج ہے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ "ہاں! اکسیر علاج ہے۔ میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا بتلایا ہوا اکسیر علاج ہے۔ ارشاد نبوی ہے کہ روزہ رکھو تندرست ہو جاؤ گے"

لازمی بات ہے کہ جب بچپن میں روزہ کا حد درجہ پاس تھا تو عالم شباب اور عالم پیری میں کیا عالم ہو گا۔ جبکہ آپ کو ہر چیز کی خبر ہو چکی تھی اور آپ عشق مصطفیٰ ﷺ میں بلند تر مقام پر فائز ہو چکے تھے۔

شدید بیماری میں نماز کی پابندی

مولانا حسنین رضا خان صاحب فرماتے ہیں کہ

"اعلیٰ حضرت قبلہ کا ایک سال پاؤں کا انگوٹھا پک گیا۔ ان کے خاص جراح مولانا بخش تھے۔ ان کو بعض سول سرجن بھی خطرناک آپریشن میں شریک کیا کرتے تھے۔ انہوں نے آپ کے انگوٹھے کا آپریشن کیا۔ پٹی باندھنے کے بعد انہوں نے عرض کیا کہ! حضور اگر حرکت نہ کریں گے تو یہ زخم دس بارہ روز میں خشک ہو جائے گا ورنہ زیادہ وقت لگے گا۔

وہ تو یہ کہہ کر چلے گئے مگر یہ کس طرح ممکن تھا کہ مسجد کی حاضری اور نماز باجماعت کی پابندی ترک کر دی جائے۔ جب ظہری وقت آیا تو آپ نے وضو کیا۔ چونکہ کھڑا نہیں ہوا جاتا تھا چنانچہ بیٹھے بیٹھے ہی کسی نہ کسی طرح پھاٹک تک آگئے۔ لوگوں نے جو دیکھا تو جلدی سے ایک کرسی پر بٹھا کر مسجد میں پہنچا دیا۔

اسی وقت اہل خاندان اور اہل محلہ نے یہ طے کیا کہ علاوہ مغرب کے ہر اذان کے بعد ہم سب میں سے چار مضبوط آدمی کرسی لے کر زنانہ میں حاضر ہو جایا کریں گے اور پلنگ ہی پر سے کرسی پر بٹھا کر مسجد کی محراب کے قریب بٹھا دیا کریں گے اور مغرب کی نماز کے وقت اذان سے کچھ دیر پہلے حاضر ہو جایا کریں گے۔

یہ سلسلہ ایک ماہ بڑی باقاعدگی سے چلا اور پھر جب آپ بالکل تندرست ہو گئے اور خود چلنے کے قابل ہو گئے تو اس سلسلہ کو ختم کر دیا گیا۔ کرسی اٹھانے والے چار آدمیوں کے ساتھ

میں بھی التزام کے ساتھ حاضر ہوا کرتا تھا۔ اس عمل کو میں اپنی بخشش کا بڑا اچھا ذریعہ سمجھتا ہوں۔ نماز تو نماز ہے ان کی جماعت کا ترک کر دینا بھی بلا عذر شرعی شاید کسی صاحب کو یاد نہ ہو گا"

ان کے ہم عمروں سے اور ان کے بعض بڑوں کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سن شعور سے نماز باجماعت کے سخت پابند تھے گویا قبل بلوغ ہی وہ اصحاب ترتیب کے ذیل میں داخل ہو چکے تھے اور وفات تک صاحب ترتیب ہی رہے اور جمعتہ الوفات ہی ایسا جمعہ ہوا جس کو مسجد میں ادا نہ کر سکے۔ جمعہ کا وقت وصال پورا نہ گزر پایا تھا کہ داعی اجل کو لبیک کہا۔

اعلیٰ حضرت کے معمولات میں بچپن ہی سے ایسے واقعات بکثرت ملتے ہیں جن سے ان کی اسلامی زندگی صاف جھلکتی ہے۔ جو آگے چل کر مزید نکھر گئی اور ان کا مظاہرہ اہل اسلام نے خوب خوب کیا۔ کیا عرب اور کیا ہندوستان آپ کی پاک و صاف زندگی گویا ایک مثال لازوال بن گئی۔

حصول تعلیم

اعلیٰ حضرت نے اپنی ابتدائی تعلیم کی ابتدا کلام اللہ شریف اور اردو سے کی۔ اس کے بعد اردو، فارسی اور عربی کی ابتدائی تعلیم جناب مولانا غلام قادر بیگ صاحب سے حاصل کی۔ بیگ صاحب بڑے متقی اور پرہیز گار شخص تھے اور اعلیٰ حضرت کے والد گرامی کے قریبی دوست بھی۔ اعلیٰ حضرت جب ابتدائی درسی کتب پڑھ کر فارغ ہوئے تو والد گرامی نے ان کی تعلیم کی ذمہ داری خود لے لی۔

اعلیٰ حضرت کو آپ کے والد گرامی نے کوئی بھی درسی کتاب پوری نہ پڑھائی۔ جب وہ دیکھتے کہ آپ مصنف کتاب کی طرز تحریر سے خوب واقف ہو گئے ہیں اور اپنا سبق سارے کا سارا دوران مطالعہ ہی نکال لیتے ہیں تو اس کتاب

میں اگر کچھ مشہور مشکل مقامات ہوتے تو ان پر عبور کرا دیتے یا اور دوسری کتاب شروع کروا دیتے۔ شاید ہی کوئی کتاب پوری پڑھنا پڑی ہو۔ اس طرح وہ نہایت قلیل مدت میں تمام درسی علوم کے سمندروں کو عبور کر گئے۔

اس قابلیت کو دیکھتے ہوئے فقط 14 برس کی عمر میں ہی آپ کے والد گرامی نے آپ کو دستار فضیلت سے سرفراز کرکے فتویٰ نویسی کی ذمہ داری سونپ دی اور خود ان فرائض سے سبکدوش ہوگئے۔ ورنہ شاید ہی آپ کے فتاویٰ اور رسائل کا اتنا بڑا ذخیرہ دنیا کے سامنے موجود ہوتا۔

آپ کی دوران تعلیم ایک عجیب واقعہ پیش آیا مولانا حسنین رضا خان صاحب فرماتے ہیں

"ان کے دور میں چھاپے خانے نہ تھے۔ لہٰذا اکثر درسی کتابیں قلمی' معرا پڑھی جاتیں تھیں۔ وہ مسلم الثبوت پڑھ رہے تھے اور زیادہ رات تک مطالعہ کرتے تھے۔ جس مقام پر ان کا سبق ہونے والا تھا وہاں ان کے والد گرامی نے کتاب کے مصنف مولانا محب اللہ صاحب پر ایک اعتراض کتاب کے حاشیہ پر لکھ دیا تھا۔

جب اعلیٰ حضرت کی نظر اس اعتراض پر پڑی تو آپ کی بانکی طبیعت میں یہ بات آئی کہ مصنف کی عبارت کو حل ہی اس طرح کیا جائے کہ اعتراض وارد ہی نہ ہو۔ آپ اس مسئلہ کے حل کے لئے رات ایک بجے تک سوچتے رہے۔ آخر تائید غیبی سے وہ حل سمجھ میں آگیا۔

آپ کو انتہائی مسرت ہوئی اور وفور مسرت میں بے اختیار آپ کے ہاتھوں سے تالی بج گئی۔ اس سے سارا گھر جاگ گیا اور کیا ہے کیا ہے کا شور مچ گیا (لازمی بات ہے کہ ہروقت گم سم رہنے اور کم گو شرمیلے بچے کا ایک دم رات کے وقت

تالیاں بجانا تمام گھر والوں کو چونکا دینے کے لئے کافی تھا)
آپ نے اپنے والد گرامی کو کتاب کی عبارت اور اس کا عام مطلب اور اس عبارت پر ان کا اعتراض سنانے کے بعد اپنی طرف سے اس عبارت کی ایسی تقریر کی کہ وہ اعتراض ہی نہ بن پڑا۔

اس پر والد گرامی نے اپنے لائق فرزند کو گلے سے لگایا اور فرمایا کہ "امن میاں تم مجھ سے پڑھتے نہیں بلکہ مجھے پڑھاتے ہو۔"

اعلیٰ حضرت کے والد گرامی حضرت مولانا نقی علی خان صاحب بڑے زبردست عالم، مفتی اور مصنف تھے۔ آپ کا شمار ملک ہندوستان کے گنے چنے علماء کرام میں کیا جاتا تھا۔ چنانچہ باپ کی خصوصی توجہ سے اعلیٰ حضرت نے حیرت انگیز ترقی کی۔ اسی دوران آپ اپنے پھوپھا شیخ فضل حسین کی دعوت پر رام پور گئے جہاں دوران قیام آپ نے حصول تعلیم کا کوئی ذریعہ ضائع نہ کیا۔

رام پور میں نواب کلب علی خاں کی ایما پر شرح چغمنی کے کچھ اسباق مولانا عبدالعلی سے پڑھے۔ مولانا عبدالعلی بھی بہت صاحب علم شخصیت تھے۔ ان کا شمار ریاضی کے عظیم ترین اساتذہ کرام میں ہوتا تھا۔ رام پور میں اعلیٰ حضرت چونکہ اپنے پھوپھا شیخ فضل حسین صاحب کی دعوت پر گئے تھے اس لئے انہوں نے آپ کا تعارف الحاج نواب کلب علی خاں صاحب سے کروایا۔ شیخ فضل حسین صاحب رام پور میں افسر اعلیٰ تھے اور نواب صاحب کے خاص مقربین میں شامل تھے۔

اعلیٰ حضرت ابھی رام پور نہیں وارد ہوئے تھے کہ شیخ صاحب نے آپ کا غائبانہ تعارف نواب صاحب سے کروا دیا تھا۔ نواب صاحب بھی اس نو عمر کو دیکھنے کے مشتاق تھے کہ جو بہت کم سنی میں ہی بہت سے علوم میں مہارت اختیار کر چکا تھا۔ جب اعلیٰ حضرت رام پور گئے تو شیخ صاحب نے سب سے پہلے

آپ کو نواب صاحب سے ہی ملوایا۔ نواب صاحب ایک جہاندیدہ شخصیت تھے' آپ کو دیکھتے ہی سمجھ گئے کہ اس بچے کی شہرت خواہ مخواہ نہیں بلکہ بہت ہی کم ہے۔ اس کو تو بہت زیادہ مشہور ہونا چاہئے۔

نواب کلب علی خاں نے شیخ صاحب سے کہا کہ اس بچے کو مزید نکھارنے کے لئے معروف ریاضی دان مولانا عبدالعلی اور مولانا عبدالحق خیرآبادی سے تعلیم حاصل کرنا چاہئے۔ کیونکہ مولانا عبدالعلی تو معروف ریاضی دان ہیں مولانا عبدالحق صاحب فلسفہ' منطق' اصول اور کلام میں مشہور و معروف تھے۔ مگر ابھی مولانا عبدالعلی صاحب سے چند اسباق پڑھے تھے کہ والد مکرم کا بلاوا آن پہنچا اور آپ نے ایک مرتبہ پھر والد ماجد سے تعلیم حاصل کرنا شروع کر دی۔ دنیا حیران و ششدر ہے کہ فقط 13 برس کی عمر سعید میں آپ نے تمام علوم پر دسترس حاصل کرلی اور پھر ایک وقت وہ بھی آیا کہ 14,13 برس کے نو عمر احمد رضا نے معروف عالم دین حضرت مولانا نقی علی خاں صاحب کی مسند سنبھالی۔

اب فتویٰ نویسی کا دشوار گزار کام حضرت احمد رضا خاں صاحب بریلوی سرانجام دیتے تھے۔ یہ وہ وقت تھا کہ حضرت مولانا نقی علی خان صاحب بریلی اور دیگر اضلاع روہیل کھنڈ میں مرجع فتاویٰ تھے۔ پہلے پہل تو یوں ہوا کہ جو فتوے اعلیٰ حضرت کے پاس آتے آپ ان کا جواب لکھوا کر والد گرامی کو دکھاتے ان کو دیکھ کر والد بزرگوار بے حد خوش ہوتے۔ ان کو یہ بھی حیرت انگیز خوشی ہوتی کہ آپ کے جوابات میں اصلاح کی گنجائش ہی نہیں ہوتی تھی۔ اس طرح روز بروز گرد و نواح میں اب حضرت نقی علی خان کے خلف الرشید کی دھوم مچ گئی۔ جس عمر میں بچوں کو نماز بھی درست طریقے سے ادا کرنا نہیں آتی اس عمر میں اعلیٰ حضرت فتویٰ نویسی فرما رہے تھے۔ کیا عالم اسلام میں اس جیسی اور بھی کوئی مثال ہے۔ اعلیٰ حضرت احمد رضا خان صاحب کو دستار فضیلت 14 شعبان المعظم 1286ھ عطا ہوئی۔

پہلے ہی روز آپ کے پاس ایک مشکل مسئلہ پیش کیا گیا سوال یہ تھا کہ

"اگر عورت کا دودھ ناک کے ذریعہ بچے کے حلق میں چڑھ
گیا تو رضاعت ثابت ہو گئی یا نہیں؟"
آپ نے جواب میں فتویٰ تحریر فرمایا کہ
"منہ یا ناک سے عورت کا دودھ جو بچے کے پیٹ میں پہنچے گا
حرمت رضاعت لائے گا"

والد ماجد نے یہ جواب پڑھا تو اپنی درخشندہ قسمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ ایک مرتبہ یوں ہوا کہ ایک مسئلہ میں باپ بیٹا میں اختلاف رائے پیدا ہوا۔ فقیر کے خیال میں یہاں اختلاف رائے باپ اور بیٹے کے درمیان نہیں ہوا بلکہ دو علمائے دین میں ہوا۔ کیونکہ مسئلہ اسلام سے متعلق تھا اور جواب یا فتویٰ بھی دین سے ہی متعلق تھا یہ کوئی گھریلو مسئلہ تو نہ تھا کہ ہم کہیں کہ باپ بیٹا میں اختلاف ہو؟

بات جب خاصی طویل پکڑ گئی تو حضرت نقی علی خان صاحب نے تجویز پیش کی کہ

"اس مسئلہ کا ایک فتویٰ میں لکھتا ہوں اور ایک فتویٰ تم لکھو
پھر ان دونوں کو تصدیق کے لئے علمائے رام پور کے سامنے
پیش کر دیں گے۔ ان کا فیصلہ ہم تم دونوں کو منظور ہو گا۔"

چنانچہ دونوں علمائے دین نے فتوے لکھے۔ اللہ اللہ کیا شان ہے کہ باپ بیٹا کسی قسم کی کوتاہی برداشت نہیں کر رہے۔ دونوں کے فتویٰ رام پور میں ایک صاحب کا نام سعادت تھا لے کر شیخ فضل حسین صاحب کے پاس پہنچا اور تمام واقعہ سے آگاہ کیا۔ شیخ صاحب اس واقعہ کو سن کر پہلے تو گھبرائے کیونکہ یہ کوئی معمولی واقعہ تو نہ تھا۔ جب علمائے کرام کے سامنے دونوں فتویٰ پہنچے تو طرح طرح کی باتیں بھی ہونا تھیں۔

بہرحال شیخ صاحب نے نواب کلب علی خان صاحب سے ذکر کیا اور دونوں کے فتووں کو جید علمائے کرام کے پاس باعتبار شخص کے ذریعہ بھیجا اور

تصدیقات کی درخواست بھی کی۔ یہ دونوں فتوے جب تمام علمائے کرام نے دیکھ لئے اور تصدیقات رقم ہوگئیں تو ان کو سعادت صاحب کے ہاتھ واپس بریلی شریف بھیج دیا گیا۔

بریلی میں بھی ان کا شدت سے انتظار تھا۔ مگر جب دونوں فتوے بریلی واپس پہنچے تو لوگوں کی حیرت کی انتہا نہ رہی کیونکہ فقط دو علمائے رام پور نے حضرت مولانا نقی علی خان کے فتویٰ پر تصدیق ثبت کی تھی باقی تمام نے اعلیٰ حضرت کے فتویٰ پر تصدیق کی تھی۔ اس کے پیش نظر مولانا نقی علی خان صاحب نے پسر ذیشان کو گلے لگایا اور اپنی رائے سے رجوع کیا۔ اس دن کے بعد اعلیٰ حضرت کی ذات والد گرامی کی نظر میں فقط ایک بیٹے کی نہ رہی بلکہ اب انہوں نے اپنے فرزند ارجمند کو اعلیٰ پائیہ کا عالم دین تسلیم کر لیا اور آپ کے ساتھ اکثر عالمانہ بحث بھی فرمایا کرتے۔

سید ایوب علی رضوی تحریر فرماتے ہیں کہ

"امام احمد رضا بریلوی ایک مرتبہ شدید علیل ہوگئے۔ طبیبوں نے مکمل آرام کرنے کا مشورہ دیا اور ہر طرح کے کام کاج سے منع کر دیا۔ آپ نے ان سے وعدہ فرمالیا۔ لیکن جب کوئی فتویٰ آتا تو آپ تلامذی سے فرماتے کہ فلاں الماری میں فلاں کتاب کے فلاں صفحہ کی فلاں سطر سے فلاں سطر تک اس کا جواب موجود ہے۔ اس کو نقل کر دو۔"

یعنی جس کام کو والد گرامی نے بچپن میں آپ کے ذمہ لگایا تھا آپ نے اس کو اپنی صحت سے افضل بھی نہ جانا۔ تندرستی اور بیماری کو بھی اس بیچ مسئلہ نہ بنایا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ایک امریکی پروفیسر کی پشین گوئی

اور

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا ابطال

ایک مرتبہ امریکن پروفیسر البرٹ ایف پورٹا نے ایک ہولناک پشین گوئی کی تھی جو انگریزی اخبارات میں چھپی' اخبارات نے اسے مزید اچھالا کہ اس امریکی نجومی کی اب تک کی گئی تمام پشین گوئیاں سو فیصد درست ثابت ہوئی ہیں۔ چنانچہ لوگوں میں ایک طرح کا خوف و ہراس پیدا ہو گیا۔ اعلیٰ حضرت کو بے تحاشا لوگوں نے اس پشین گوئی کے بارے میں خطوط ارسال کیے۔ مگر انہوں نے اس پشین گوئی کی مصدقہ نقول فراہم نہ کیں اور نہ ہی اصل پشین گوئی کسی صاحب نے پیش ہی کی۔

چونکہ اعلیٰ حضرت علیہ رحمتہ کی عادت شریفہ تھی کہ آپ محض افواہوں پر یقین نہیں فرماتے تھے۔ بلکہ اپنی تحقیقات کی ابتدا معقول سند کی بنا پر رکھتے تھے۔ چنانچہ حضرت مولانا ظفرالدین صاحب جو کہ پٹنہ سے تعلق رکھتے تھے انہوں نے یہ کام مکمل کیا کہ اپنی عرضداشت کے ساتھ اس انگریزی اخبار کا تراشہ بھی خط میں ارسال کر دیا۔ انہیں یقین تھا کہ اعلیٰ حضرت کے ہاں جواب کے لئے کوئی

شخص طویل انتظار نہیں کرتا کیونکہ سب دیکھ چکے تھے کہ ہر علم و فن رموز و نکات اعلیٰ حضرت قبلہ کے نوک زباں پر ہیں۔ حالانکہ یقین تو سبھی کو تھا کہ اعلیٰ حضرت اس پیشین گوئی کی پوری حقیقت کو طشت ازبام کر دیں گے مگر کسی نے بھی اصل خبر یعنی پیشین گوئی آپ کی خدمت میں ارسال نہ کی تھی۔ یہ سعادت حضرت مولانا ظفرالدین صاحب کے حصے میں آئی۔

دارالافتاء میں مولانا ظفرالدین صاحب نے بانکی پور کے انگریزی اخبار ایکسپریس کے دوسرے ورق کا پہلا کالم کاٹ کر بغرض ملاحظہ واستصواب حاضر کیا۔ جس میں امریکی منجم پروفیسر البرٹ کی ہولناک پیشن گوئی درج تھی۔ اعلیٰ حضرت نے دو طرح سے اس پیش گوئی کا ابطال کیا۔ اول شرعی دلائل سے اور پھر فنی اصول سے اس انگریزی خبر کے مفصل ترجمہ کی ذمہ داری جناب نواب وزیر احمد خاں اور جناب سید اشتیاق علی صاحب خان صاحب رضوی کے سپرد کی گئی جو کہ انگریزی کے ماہرین تصور کئے جاتے تھے۔ اس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

17 دسمبر کو عطارد، مریخ، زہرہ، مشتری، زحل، نیپچون، چھ سیارے جن کی طاقت سب سے زائد ہے قران میں ہوں گے۔ آفتاب ایک طرف 26 درجے کے تنگ فاصلے میں جمع ہو کر اسے بقوت کھینچیں گے اور وہ ان کے ٹھیک مقابلے میں ہوگا اور مقابلے میں آتا جائے گا۔ ایک بڑا کوکب یورنیس بھی ہوگا سیاروں کا ایسا اجتماع تاریخ ہیئت میں نہ جانا گیا۔ یوزنیس دوران چھ میں مقناطیسی لہر آفتاب میں بڑے بھالے کی مانند سوراخ کرے گی۔ ان بڑے چھ سیاروں کے اجتماع سے جو ہمیں صدیوں سے نہ دیکھا گیا تھا ممالک متحدہ دسمبر میں بڑے خوفناک طوفان آب سے صاف کر دیا جائے گا۔ یہ داغ 17 دسمبر کو دیکھا جائے گا جو بے آلات محض آنکھوں سے نظر آئے گا۔ جب سے انسانی تاریخ جاری ہوئی ہے نہ ہوا ہوگا اور وسیع زخم آفتاب کے ایک جانب میں ہوگا۔ یہ داغ شمس کرۂ ہوا میں تنزل ڈالے گا۔ طوفان، بجلیاں اور بارشیں اور بڑے زلزلے ہوں گے جبکہ ان کی وجہ سے زمین ہفتوں بعد اعتدال میں آئے گی۔

جواب اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ

یہ سب اوہام باطلہ ہیں۔ مسلمانوں کو ان کی طرف اصلاً" التفات جائز نہیں۔

(1) منجم نے ان کی بنا کواکب کے طول وسطی پر رکھی ہے۔ جسے ہیئات جدیدہ میں طول بغرض مرکزیت شمس کہتے ہیں۔ اس میں وہ چھ کواکب باہم 26 درجہ 6 دقیقے کے فصل میں ہوں گے۔ مگر یہ فرض باطل قرآن کریم کے ارشاد سے مردود ہے۔ نہ شمس مرکز ہے نہ کواکب اس کے گرد متحرک بلکہ زمین کا مرکز ثقل مرکز عالم اور سب کواکب امور فود شمس اس کے گرد دائر۔ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے کہ

(1) والشمس والقمر بحسبان

سورج اور چاند کی چال حساب سے ہے۔

اور فرماتا ہے کہ

(2) والشمس تجری لمستقر لھاذلک تقدیر العزیز العلیم

سورج چلتا ہے ایک ٹھہراؤ کے لئے پھر سادھا ہوا زبردست علم والے کا ہے۔

اور فرماتا ہے کہ

(3) کل فی فلک یسجون

چاند اور سورج سب ایک گھیرے میں پھر رہے ہیں۔

اور فرماتا ہے کہ

(4) وسخر لکم الشمس والقمر انبین

تمہارے لئے چاند اور سورج مسخر کئے کہ دونوں باقاعدہ چل رہے ہیں۔

اور فرماتا ہے کہ

(5) وسخر الشمس والقمر کل تجری لاجل

اللہ نے مسخر فرمائے چاند اور سورج ہر ایک ٹھہرائے وقت چل رہا ہے۔

بعینہ اسی طرح سورہ لقمان، سورہ ملائکہ اور سورہ زمر میں فرمایا اس پر جو جاہلانہ اختراع پیش کرے۔ اس کے جواب کو آئمہ کریمہ میں تعلیم کر دی۔

الا یعلم من خلق و ھو اللطیف الخبیر

"کیا وہ نہ جانے جس نے بنایا اور وہی ہے پاک خبردار" تو پیشین گوئی سرے سے مبنی بر باطل۔

یہ جسے طویل بغرض مرکز شمس کہتے ہیں۔ حقیقتہ کواکب کے اوساط معدلہ تبدیل لعل میں جیسا کہ واقف علم زیجات پر ظاہر ہے اور اوساط کواکب کے حقیقی مقامات نہیں ہوتے بلکہ فرضی اور اعتبار حقیقی کا ہے۔ 17 دسمبر کواکب کے حقیقی مقامات یہ ہوں گے۔

تقویم

کواکب	بروج	درجہ	دقیقہ
نیچون	اسد	11	15
مشتری	اسد	17	54
زحل	سنبلہ	11	39
مریخ	میزان	9	10
زہرہ	عقرب	9	19
عطارد	قوس	3	30
شمس	قوس	24	30
یورنیس	دلو	28	26

ظاہر ہے کہ ان چھ کا باہمی فاصلہ نہ 26 درجہ میں محدود بلکہ 112 اور 112 درجہ تک محدود' یہ تقویم اس دن تمام ہندوستان میں ریلوے کے وقت سے ساڑھے پانچ بجے شام اور نیویارک ممالک متحدہ امریکہ میں 7 بجے صبح اور لندن میں دوپہر کے 12 بجے ہوں گے۔ یہ فاصلہ ان کی تقویمات کا ہے۔ باہمی لغ اس سے قلیل مختلف ہوگا کہ عرض کی قوسیں چھوٹی ہیں۔ اس کے استخراج نہیں کہ کہاں 26 کہاں 112۔

(یہاں تک ساری بحث اسلامی اصول پر تھی۔ جس میں استدال کا بڑا حصہ قرآن پاک ہی تھا۔ اس وقت مخالفین میں سے کسی صاحب کو ہمت نہ ہوئی کہ پروفیسر البرٹ امریکن کی اس پیشین گوئی مذکورہ بالا آیات قرآنی سے رد کر دے تاکہ مسلمانوں کے عقائد میں تزلزل اور دلوں میں اضطراب نہ بڑھے کیا انہوں نے قرآن کی یہ آیات نہ پڑھی تھیں یا ان کا ترجمہ نہ کر سکے تھے۔ یہ سب کچھ کر سکتے تھے۔ حالانکہ علم ہیئات کی درسی کتابیں بھی پڑھی ہوں گی۔ یہ کہئے کہ اپنے علم پر خود اعتماد نہ تھا۔ خوف تھا کہ جواب الجواب اگر ہوا تو کیسے پیش جائے گی۔ یہ بھی یاد نہ رہا کہ سرکار رسالت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

الساکت عن الحق شیطان اخرس

حق بات کہنے سے خاموش رہنے والا گونگا شیطان ہے۔

یا یہ کہ ایک طرف یہ خوف تھا کہ بحث آگے بڑھی تو لاعلمی کی وجہ سے ذلت کا منہ دیکھنا پڑے گا اور دوسری طرف گونگا شیطان بننے کا اندیشہ تھا کہ انہوں نے آنے والی ذلت و رسوائی کے خوف سے شیطان بننا آسان سمجھا۔ اس واسطے کہ یہ ذلت ہاتھ کے ہاتھ ہوئی اور قیامت کس نے دیکھی ہے۔ جہاں خاموشی کی پاداش بھگتیں گے۔ ایسے آڑے وقت ہندوستان بھر سے صرف ایک آواز اٹھی اور اس شان سے اٹھی کہ اس نے پہلے آیات قرآنی سے مسلمانوں کے عقائد کا تحفظ کیا اور پھر فنی استدلال سے ملک بھر کے عام اضطراب کا خاتمہ

کر دیا۔ مجدد کی یہی شان ہونی چاہئے اور پھر اس رد کو اردو اور انگریزی اخبارات میں شائع کرا دیا۔ کہ شاید پروفیسر البرٹ اور بدمذہبوں کی طرح اپنی بات کو پچ کریں اور کچھ بحث بڑھے تو ان کی بھی آگے چل کر وہی درگت بنے جو ان بدمذہبوں کی بن چکی۔ اس مضمون کے جواب میں ہندوستان یا امریکہ سے صدائے بدنخواست کا مضمون رہا۔ اس واسطے کہ اصولی طور پر اس میں کوئی گنجائش نہ رہی تھی۔)

اس کے بعد اعلیٰ حضرت اقدس سرہ تحریر فرماتے ہیں کہ یہ کلام اسلامی اصول پر تھا۔ اب کچھ عقلی حرف زنی بھی لیجئے۔ یہ کہنا کہ دو ہزار برس سے ایسا اجتماع نہ دیکھا گیا بلکہ جب سے کواکب کی تاریخ شروع ہوئی نہ جانا گیا محض جزاف ہے۔

(3) مدعی اس پر دلیل رکھتا ہے تو پیش کرے ورنہ روز اول کواکب در کنار دو ہزار برس کے تمام زیجات بالاستیعات اس نے مطالعہ کئے اور ایسا اجتماع نہ پایا یہ بھی یقیناً نہیں تو دعویٰ بے دلیل باطل و ذلیل' یورینس اور نیچون تو اب ظاہر ہوئے۔ اصل زیجات میں ان کا پتہ کہاں مگر یہ کہ اوساط موجود ہیں بطریق تفریق ان کے ہزاروں برس کے اوساط نکالے ہوں اور دعویٰ محض ادعاء۔

کیا سب کواکب نے آپس میں صلح کر کے آفتاب پر ایکا کر لیا ہے۔ یہ تو محض باطل ہے بلکہ مسئلہ جاذبیت اگر صحیح ہے تو اس کا اثر سب پر ہے قریب تر پر قوی تر اور ضعیف تر پر شدید تر اور 17 دسمبر کو اوساط کواکب کا نقشہ یہ ہے۔

کوکب	درجہ	وسط دقیقہ
مشتری	129	30
نیچون	129	53

زہرہ	142	42
عطارد	153	50
مریخ	154	17
زحل	155	43
یورنیس	330	57

(4) اور ظاہر ہے کہ آفتاب ان سے ہزاروں درجے بڑا ہے۔ جب اتنے پر چھ کی کھینچ تان اس کا منہ زخمی کرنے میں کامیاب ہوگی تو زحل کر اس سے نہایت صغیر و حقیر ہے اور پانچ کی کشاکش اور ادھر سے یورنیس کی مارا مار یقیناً" اس کو فنا کر دینے کا کافی ہوگی اور اس اعتبار سے ان کا فاصلہ بھی تنگ صرف 25 درجہ

(5) مریخ زحل سے بہت چھوٹا ہے اور اس کے لحاظ سے فاصلہ اور بھی کم فقط ساڑھے 24 درج تو یہ چار ہی مل کر اسے پاش پاش کر دیں گے۔

(6) عطارد سب میں چھوٹا اور اس کے حساب سے باقی 13 درجے کے فاصلے میں ہیں تو فاصلہ 26 کا آدھا ہے تو یہ تین عظیم ہاتھی مع یورنیس اس چھوٹی سی چڑیا کے ریزہ ریزہ کر دینے کو بہت ہیں۔ منجم نے اسی مضمون میں کہا ہے کہ دو سیارے ملے ہوئے کافی ہیں ایک چھوٹا داغ شمس میں پیدا کرنے اور ایک چھوٹا طوفان برپا کرنے میں اور تین ان میں سے بڑا طوفان اور بڑا داغ جب آفتاب میں تین اور چار کا یہ عمل تو بیچارے عطارد اور مریخ چارد اور پانچ کے آگے کیا حقیقت رکھتے ہیں۔

اور زحل پر اکٹھے چھ جمع ہیں۔ تو جو نسبت ان کو آفتاب سے ہے۔ اس نسبت سے ان پر اثر زیادہ ہونا لازم۔ واجب تھا کہ یہ کھینچنے والوں سے چمٹ جائیں لیکن ان میں نافریت بھی رکھی ہے وہ انہیں تمرد پر لائے جس کا صاف نتیجہ

ریزہ ریزہ ہو کر جواذب میں کم ہو جاتا ہے۔ جب کہ مشہور ہے کہ کمزور چیز نہایت قوی سے کھینچی جائے گی اگر دوسری طرف اس کا تعلق ضعیف ہے کھنچ آئے گی ورنہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی۔ یہ سب اگر نہ ہوگا تو کیوں حالانکہ آفتاب پر اثر ضرب شدید کا مقتضی یہ ہے اور ہوگا۔ تو غنیمت ہے کہ آفتاب کی جان چھوٹی وہ آپس میں کٹ کر فنا ہوں گے نہ آفتاب کے اس طرح چھ رہیں گے نہ اس کے زخم آئے گا۔

بالجملہ! پیش گوئی محض باطل و پاور ہوا ہے۔ غیب کا علم اللہ عزوجل کو ہے پھر اس کے عطا سے اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ اپنی خلق میں جب جو چاہے کر لے اگر اتفاقاً" بہ مشیت الٰہی معاذ اللہ ان میں سے بعض یا فرض کیجئے کہ سب باتیں واقع ہو جائیں جب بھی پیش گوئی یقیناً جھوٹی ہے کہ وہ جن اوضاع کواکب پر مبنی ہے وہ اوضاع فرضی ہیں اور اگر بفرض غلط واقعی بھی ہوتے تو جن اصولوں پر مبنی ہیں وہ اصول محض بے اصل من گھڑت ہیں جن کا سہل و بے اثر ہونا خود اسی اجتماع نے روشن کر دیا۔ اگر جاذبیت صحیح ہے تو یہ اجتماع نہ ہونا چاہئے اور اگر اجتماع قائم ہے تو جاذبیت کا اثر غلط ہے۔ بہرحال پیشین گوئی باطل واللہ یقول الحق و یھدی السبیل۔

جاذبیت پر ایک سہل سوال اوج حضیض شمس سے ہوتا ہے جس کا ہر سال مشاہدہ قطعہ لوج پر کہ اس کا وقت سوم جولائی ہے۔ آفتاب زمین سے نہایت بعد پر ہوتا ہے اور نقطہ حضیض پر کہ تقریباً" سوم جلوری ہے" غایت قرب پر یہ تفاوت اکیس لاکھ میل سے زائد ہے کہ تفتیش جدید میں بعد اوسط نو کروڑ انتیس لاکھ میل بتایا گیا ہے اور ہم نے حساب کیا مابین المرکزین وسو رجہ پینتالیس ثانئے یعنی 245213 ہے تو بعد البعد 94458026 میل ہوا اور بعد اقرب 9130410974 میل تفاوت 3116052 میل۔ اگر زمین آفتاب کے گرد اپنے مدار بیضی پر گھومتی ہے جس کے مرکز اسفل میں آفتاب ہے جیسا کہ ہیئات جدید کا زعم ہے تو اول۔ نافریت ارضی کو جاذبیت شمس سے کیا نسبت کہ آفتاب

حسب بیان اصول علم الہیاۃ جدیدہ میں بارہ لاکھ پینتالیس ہزار ایک سو تیس (1245130) زمینوں کے برابر ہے اور ہم نے بربنائے مقررات تازہ اصل کر دی پر حساب کیا تو اس سے بھی زائد آیا۔ یعنی تیرہ لاکھ تیرہ ہزار دو سو چھپن زمینوں کے برابر ہے۔ وہ جرم کہ اس کے بارہ تیرہ لاکھ حصوں میں سے ایک کے بھی برابر نہیں۔ اس کی کیا مقاومت کر سکتا ہے۔ گر دورہ کرنا نہ تھا بلکہ پہلے ہی دن کھینچ کر اس میں جاتا کیا 12-13 لاکھ مل کر ایک کو کھینچیں، تو کھنچ نہ سکے گا۔ بلکہ اس کے گرد گھومے گا؟۔

ثانیاً"۔ جبکہ نصف وعد میں جاذبیت شمس غالب آکر اکتیس لاکھ میل سے زائد زمین کو قریب کھینچ لائی تو نصف دوم میں اسے کس نے ضعیف کر دیا کہ زمین پھر اکتیس لاکھ سے زیادہ دور بھاگ گئی حالانکہ قریب موجب قوت اثر جذب ہے تو حضیض پر لا کر جاذبیت شمس کا اثر اور قوی تر ہوتا ہے اور زمین کا وقتاً" فوقتاً" قریب تر ہوتا جانا لازم تھا نہ کہ نہایت قرب پر آکر اس کی قوت سست پڑے اور زمین اس کے نیچے سے چھوٹ کر پھر اتنی ہی دور ہو جائے۔ شاید جولائی سے جنوری تک آفتاب کو لراتب زیادہ ملتا ہے۔ قوت تیز ہوتی ہے اور جنوری سے جولائی تک بھوکا رہتا ہے۔ کمزور پڑ جاتا ہے۔ دو جسم برابر کے ہوتے تو یہ کہنا ایک ظاہری لگتی ہوئی بات تھی کہ نصف حصہ میں یہ غالب ہوتا اور نصف دور میں وہ، نہ کہ وہ جرم کہ زمین کے 12 لاکھ امثال سے بڑا ہے اسے کھینچ کر 31 لاکھ میل سے زیادہ قریب کرے اور عین شباب اثر جذب کے وقت سست پڑ جائے اور ادھر ایک ادھر 12 لاکھ سے زائد پر غلبہ و مغلوبیت کا دورہ پورا نصف نصف انقسام پائے۔

ثالثاً"۔ خاص ان میں نقطوں کا تعین اور ہر سال ان ہی پر غلبہ و مغلوبیت کی کیا وجہ بخلاف ہمارے اصول کے کہ زمین ساکن اور آفتاب اس کے گرد ایک ایسے دائرے پر متحرک ہی کا مرکز۔ مرکز عالم سے اکتیس لاکھ لاکھ سولہ ہزار باون میل باہر ہے۔ اگر مرکز متحدہ ہوتا زمین سے آفتاب کا بعد ہمیشہ

یکساں رہتا مگر بوجہ ضروج مرکز جب آفتاب نقطہ الف پر ہو گا مرکز زمینی سے اس کا فصل ا' ح ہو گا۔ یعنی بقدر ا' ب نصف قطر مدار شمس + ب ح مابین ا مرکزین اور جب نقطہ ع پر ہو گا تو اس کا فصل ح ء ہو گا یعنی بقدر ب ء نصف قطر مدار شمس ب ح مابین المرکزین دونوں فصلوں میں بقدر دو چند مابین المرکزین فرق ہو گا یہ اصل کروی پر ہے۔

لیکن بعد اوسط اصل بیضی میں لیا گیا ہے۔ اس میں بعد اوسط منتصف مابین المرکزین پر ہے تو بعد اوسط نصف مابین المرکزین = بعد ابعد نصف مذکور = بعد اقرب لاجرم مابین المرکزین فرق ہو گا اور یہی نقطے اس قرب و بعد کے لئے خود ہی متعین رہیں گے۔ کتنی صاف بات ہے جس میں نہ جاذبیت کا جھگڑا نہ نافریت کا بکھیڑا'

ذالک تقدیر العزیز العلیم

یہ سادھا ہوا زبردست جاننے والے کا ہے۔

جل و علا و صلی اللہ تعالی سیدنا والہ وصحبہ وسلم

یہاں منجم میں اور بہت اغلاط ہیں جن کی طرف التفات نہ کیا۔

واللہ سبحنہ و تعالی اعلم

مطبوعہ الرضا بریلی۔ شمارہ نمبر2

* @ * @ *

الخلق عیال اللہ فاحب الخلق الی اللہ من احسن الی عیالہ (الحدیث)
خلق، اللہ کے لئے ایسی ہے جیسے کہ آدمی کا کنبہ، تو اللہ کو سب سے زیادہ پیارا وہ بندہ ہے جو کنبہ کے ساتھ بھلائی کرے۔

عادات اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی عادت شریفہ کے متعلق حضرت مولانا حسنین رضا خان صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ دو ہماری ہوش سے خدا بخش مرحوم ہمارے خاندان اور بعض دیگر اہل محلہ میں پانی بھرتے تھے اور ان کا سب سے بڑا بیٹا محمد بخش جو کہ ابھی بالغ نہیں ہوا تھا اعلیٰ حضرت کے ہاں اپنی چھوٹی مشک سے پانی بھرا کرتا تھا۔ پھر جب وہ بالغ ہو گیا تو اس کا چھوٹا بیٹا جو ابھی نابالغ تھا اس فریضہ کو انجام دینے لگا اس کا نام حافظ احمد بخش تھا۔ ان دونوں کی ماں کا انتقال پہلے ہی ہو چکا تھا۔ چنانچہ خدا بخش نے دوسرا نکاح کر لیا تھا۔ اس عورت سے بھی رب العزت نے اڑھائی اڑھائی برس کے فرق سے بیٹے پیدا کیے۔

چنانچہ خدا بخش نے اپنے نابالغ لڑکوں سے اعلیٰ حضرت کے ہاں پانی لے جانے کی خدمت پوری کی۔ منشا ان کی یہی تھی کہ بی بی صاحبہ اور صاحبزادیوں کو پانی کے سلسلہ میں بار بار پردے کی تکلیف برداشت نہ کرنی پڑے۔ یونہی سلسلہ چل رہا تھا کہ ایک بڑا ہی اہم واقعہ رونما ہوا واقعہ کچھ یوں ہے کہ دارالعلوم

منظر الاسلام میں جلسے ہو رہے تھے۔ اکثر علمائے کرام دور دراز سے تشریف لائے تھے۔ ظہر کا وقت تھا۔ ان علمائے کرام میں شائد یہ چار صاحبان ضرور تھے۔ مولانا یعقوب علی خان بلاسپوری' حضرت مولانا سید سلیمان اشرف صاحب بہاری ناظم دینیات علی گڑھ یونیورسٹی' حضرت مولانا وصی احمد سورتی اور حضرت سید دیدار علی شاحب الوری۔

ایک بچہ سقہ پانی بھر رہا تھا۔ جب اس نے ڈول اوپر کھینچ لیا تو کسی ایک صاحب نے پانی لینے کے لئے لوٹا بڑھا دیا۔ لڑکے نے ان کی طرف بغور دیکھ کر اپنا ڈول اپنی مشک میں لوٹا کر کہا کہ جناب عالی میں نابالغ ہوں میرے دیئے ہوئے پانی سے آپ کا وضو نہ ہو گا۔ مسئلہ اپنی جگہ بالکل درست تھا۔ اب اس سے جرح کا سوال ہوا کہ تم کہاں کہاں پانی بھرتے ہو۔ اس نے بتایا کہ اعلیٰ حضرت کے ہاں بھرتا ہوں۔ پھر اس سے پوچھا گیا کہ ان کا وضو کیسے ہو جاتا ہے۔ اس پر بچہ سقہ خاموش ہو گیا۔ اس اثنا میں حاجی کفایت اللہ صاحب اس جگہ آگئے تھے اور یہ گفتگو بڑے غور سے سن رہے تھے۔ انہوں نے بتلایا کہ پانی کا معاہدہ چونکہ اس کے باپ کے ساتھ ہے۔ اب وہ خواہ خود بھرے یا اپنے بچوں سے بھروائے خواہ وہ بچے نابالغ ہی کیوں نہ ہوں وضو درست ہو گا۔

اس پر مولانا سید سلیمان اشرف نے فرمایا کہ فقیہ ایسے ہوتے ہیں کہ جن کے خدام بھی مسائل فقہ جانتے ہوں۔ ان کے گھر کی ملازم عورتیں اور باہر کے ملازم مرد اگر کام کاج کے قابل نہ رہتے یا اگر شدید علیل ہو جائے تو ان کو تادم مرگ تنخواہ دیتے رہتے۔ اس کے لئے علاج معالجہ کے لئے بھی ہر ممکن امداد فرمائی جاتی۔

میرے سامنے بھی چند ایسے حادثے ہوئے ہیں۔ کسی ملازم کا نکالا جانا مجھے تو یاد نہیں ہے۔ کسی بھی شخص کی اچھائی و برائی کی درست جانچ پڑتال اس کے نجی حالات ہی سے ہو سکتی ہے' منظر عام پر تو ہر شخص بن سنور کر ہی آتا ہے یا لایا جاتا ہے۔ میں نے اس دور کے بعض لوگوں کی سوانح عمریاں دیکھی ہیں۔ ان

کے مصنفین نے اپنے ممدوح کو بڑی بلند سطح پر دکھایا ہے۔ بعض نے سطح بشری سے بھی اونچا کر ڈالا ہے مگر جب ان کے نجی حالات کو ٹٹولا تو کچھ نہ کچھ گول ہی نکلا۔ حقیقت ہے کہ اس عظیم شخصیت کے نجی حالات کے لئے بھی ایک الگ دفتر درکار ہے۔ اس کتاب میں اس کی گنجائش کہاں۔"

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

سادات کی تکریم

اعلیٰ حضرت خاندانی طور پر سادات کی دلی تکریم کیا کرتے تھے۔ آپ کے دادا جان مولانا رضا علی خان صاحب روزانہ بعد از نماز فجر سادات کرام کے نو محلہ کی خیریت دریافت کرنے اور سلام عرض کرنے جایا کرتے تھے۔ ان کے اس معمول میں کسی خاص مجبوری کی وجہ سے ہی تعطل واقع ہوتا۔ مولانا رضا علی خان صاحب کے بعد مولانا نقی علی خاں صاحب بھی اس خاندان سے وابستہ رہے۔ کیونکہ وہ اپنے والد ماجد کو اسی طریقہ پر عمل کرتے دیکھا کرتے تھے۔ مولانا نقی علی خان صاحب نے بھی اس جلیل القدر روایت کو قائم رکھا۔

ہر تقریب میں سادات کرام کو بطور خاص مدعو کیا جاتا اور ان کو زور دیکر شریک کیا جاتا جبکہ ان کا اعزازی حصہ سب سے دگنا ہوا کرتا۔ اس بات سے سبھی خاص و عوام آگاہ تھے۔ کیونکہ برسوں سے اسی عمل کو سب دیکھ رہے تھے۔ اعلیٰ حضرت نے بھی اس روایت کو جاری رکھا اور سب سے بڑھ کر سادات کی تکریم فرمائی۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمتہ اگر کبھی کبھار ناراض ہو جایا کرتے تو اکثر خاموشی اختیار کر لیا کرتے اور طعام سے ہاتھ کھینچ لیتے۔ ایسے میں آپ پان کھانا یا حقہ یا کھانا وغیرہ چھوڑ دیا کرتے۔ لازمی بات ہے کہ ان حالات میں صحت مزید

خراب ہو جایا کرتی۔ عادت شریفہ یہ تھی کہ کسی کو ڈانٹنا نہیں بلکہ اپنے اوپر ہی جبر کرنا ہے۔ آپ کی عمومی صحت اس بات کی متقاضی نہ تھی کہ اکثر بھوکا رہا جائے۔ چنانچہ اہل خانہ پہلے تو خود ہی غصہ دور کرنے کی کوشش کرتے مگر جب کوئی بھی تدبیر کارگر نہ ہوتی تو سید صاحبان سے عرض کیا جاتا۔

ان کو یہ تو معلوم ہی تھا کہ اعلیٰ حضرت کبھی سادات کی بات کو نہیں ٹالتے۔ اس لئے اگر ایسا کوئی مسئلہ طول پکڑ لیتا تو سادات سے رابطہ کیا جاتا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے آپ بالکل صحیح ہو جاتے ایک مرتبہ ایسا ہی ہوا کہ آپ نے ناشتہ شروع کر دیا۔ یعنی باقی تمام اوقات میں کھانا چھوڑ دیا۔ اہل خانہ نے بڑی کوششیں کیں مگر آپ نہ مانے۔ ان حالات میں اہل خانہ نے سادات کرام سے جاکر عرض کیا کہ دو ماہ سے اعلیٰ حضرت نے کھانا بالکل چھوڑ دیا ہے۔ ہم سب کوششیں کرکے تھک گئے ہیں۔ ہماری بات تو وہ مانتے ہی نہیں۔ آپ ہی انہیں مجبور کر سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ آپ کی کوئی بات نہیں ٹالتے۔

۔ جناب سید مقبول صاحب نے جب یہ سنا تو پیار اور محبت سے فرمایا کہ "ہماری زندگی میں انہیں یہ ہمت ہو گئی ہے کہ وہ کھانا چھوڑ بیٹھے ہیں۔ ابھی کھانا تیار کرتا ہوں اور لے کر آتا ہوں" حسب وعدہ سید مقبول صاحب ایک نعمت خانہ میں کھانا لے کر خود تشریف لائے۔ اعلیٰ حضرت زنان خانے میں تھے۔ اطلاع پاتے ہی فوراً باہر آئے قدم بوس ہوئے۔ اب بات چیت شروع ہوئی۔ سید صاحب نے فرمایا۔

"میں نے سنا ہے کہ آپ نے کھانا چھوڑ رکھا ہے!"

اعلیٰ حضرت نے عرض کیا۔

"میں تو روز کھاتا ہوں۔"

(اصل میں اس فقرے میں کمال ادب اور وارفتگی ہے کہ جیسے کوئی بچہ اپنے کسی بڑے سے لاڈ پیار کر رہا ہو۔ حالانکہ دینی مسائل کے لحاظ سے آپ ان شاہ صاحب سے کہیں اعلیٰ و افضل تھے فقہی مسائل پر آپ ایک بڑے عالم دین

تھے اور پورے ہندوستان میں آپ کی ہر بات کو ایک سند کا درجہ حاصل تھا۔ مگر یہاں آپ کے سامنے آقائے نامدار کی نسبت کی وجہ سے وہ شاہ صاحب ایک نہایت ہی مقدس شخصیت تھے کہ جن سے بات کرتے ہوئے آپ نہایت دھیمی گفتگو فرماتے تھے۔ حالانکہ گھر والوں کے لئے آپ تنگ مزاج تھے۔)

شاہ صاحب نے فرمایا کہ

"مجھے معلوم ہے' جیسا آپ کھاتے ہیں"

اعلیٰ حضرت نے عرض کیا۔

"حضور میرے معمولات میں اب تک کوئی فرق نہیں پڑا ہے۔ میں اپنا سب کام بدستور کرتا ہوں۔ مجھے اس سے زیادہ (طعام) کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔"

آپ کی یہ بات سن کر شاہ صاحب نے مصنوعی خفگی کا اظہار فرمایا اور برہم ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے اور (شاہ صاحب بھی اعلیٰ حضرت کے بلند مرتبے سے بخوبی واقف تھے اور یہ بھی بڑی اچھی طرح جانتے تھے کہ اعلیٰ حضرت ان کی عزت کیوں کرتے ہیں۔ چنانچہ یہ خفگی بھی اسی اپنائیت اور پیار کا ایک اظہار ہے)

شاہ صاحب نے فرمایا کہ

"اچھا تو میں کھانا لئے جاتا ہوں۔ کل میدان قیامت میں سرکار دو جہاں کا دامن پکڑ کر عرض کروں گا کہ ایک سیدانی نے بڑے شوق سے کھانا پکایا اور ایک سید لے کر آیا مگر آپ کے احمد رضا خاں نے کسی طرح نہ کھایا۔"

(اب آپ خود غور فرمایئے کہ جب کسی کو یہ کہا جائے کہ وہ کس کا ہے تو اس کا کیا حال ہو گا اور پھر اگر یہ بات اعلیٰ حضرت کو کہی جائے کہ آپ آقائے نامدار کے ہیں تو آپ خیال فرمائیں گے کہ کیا اعلیٰ حضرت جیسے رقیق القلب کی چیخیں ہی نکل گئی ہوں گی۔ مجھے یہاں ایک واقعہ یاد آرہا ہے کہ ایک مرتبہ سعودی عرب کے فرمانروا شاہ سعود ہندوستان کے سرکاری دورے پر آئے۔ سرکاری طور پر انہوں نے اپنے دورے کے دوران علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے لئے

کے لئے ایک گرانقدر گرانٹ بھی دینا تھی۔ جب بھارتی حکومت نے یہ سنا تو سعودی سفیر سے کہا کہ علی گڑھ یونیورسٹی کو گرانٹ دینا شاہ سعود کے لئے سیاسی طور پر کسی طرح مناسب نہ ہوگا۔ مناسب یہ ہے کہ بنارس یونیورسٹی کو بھی گرانٹ دی جائے۔ چنانچہ شاہ سعود نے یہ بات جان لی۔ ایک روز سعودی سفیر بنارس میں انتظامات کا جائزہ لینے کے لئے تشریف لے گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ائرپورٹ سے یونیورسٹی تک جانے والی سڑک کے دونوں اطراف میں جابجا مندر ہیں اور مورتیاں صاف دکھائی دے رہی ہیں۔ سعودی سفیر نے بھارتی حکومت کو متنبہ کیا کہ جلالتہ الملک تو یہ کسی طرح برداشت نہیں کریں گے بلکہ ہو سکتا ہے کہ وہ ناراضگی کا اظہار کر دیں۔

اس صورتحال میں ہندوستان کی حکومت نے یہ فیصلہ کیا کہ ان مندروں پر سیاہ پردے گرا دیئے جائیں تاکہ شاہ سعود کی ان پر نظر نہ پڑے' یہی کیا گیا شاہ سعود آئے اور پانچ لاکھ روپے بنارس یونیورسٹی کو گرانٹ دے کر چلے گئے۔ دورہ ختم ہوا اور شاہ سعود دیگر مصروفیات ختم کر کے سعودی عرب واپس تشریف لے گئے۔

دس پندرہ روز کے بعد بنارس میں ایک مشاعرہ منعقد ہوا اس مشاعرے میں ایک شاعر نے اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا کہ

چھپائے بیٹھے تھے غیرت سے منہ صنم خانے
میرے حضورؐ کا ادنیٰ غلام آیا تھا

اس شعر نے پورے ہندوستان میں شہرت حاصل کی۔ شدہ شدہ یہ بات سعودی سفیر کے کانوں تک بھی پہنچی۔ انہوں نے یہ شعر ترجمہ کروا کر شاہ سعود کو بھجوا دیا۔ کچھ ہی دنوں کے بعد شاہ سعود نے اس شاعر کے لئے تہنیت نامہ ارسال کیا اور اس بات کا بے حد شکریہ ادا کیا کہ ان کو آقائے دو جہاں کے غلاموں میں شمار کیا۔ اس کے ساتھ شاعر صاحب کو ایک لاکھ روپے بطور نذرانہ بھی پیش کیے۔

کچھ اسی قسم کا یہ فقرہ بھی تھا کہ شاہ صاحب فرمارہے ہیں کہ روز قیامت میں سرکار دو جہاں کا دامن پکڑ کر یہ کہوں گا کہ آپ کا احمد رضا خاں۔ اب آپ اس فقرے پر غور کریں کہ ایک سید صاحب نے جب یہ کہا کہ آپ کا احمد رضا خاں تو اعلیٰ حضرت کو تو پوری دنیا ہی نظروں سے غائب ہوگئی ہوگی نظارہ رہ گیا ہوگا فقط مدینے کا۔)

اعلیٰ حضرت نے یہ سنا تو کانپ کر رہ گئے اور عرض کیا کہ

"میں تعمیل حکم کے لئے حاضر ہوں۔ ابھی کھائے لیتا ہوں۔"

شاہ صاحب قبلہ نے فرمایا کہ

"اب تو یہ کھانا آپ جب ہی کھاسکتے ہیں جب آپ یہ وعدہ کریں کہ اب عمر بھر کھانا ترک نہ کرو گے۔"

اعلیٰ حضرت نے عمر بھی کھانا نہ چھوڑنے کا وعدہ فرمایا تو شاہ صاحب نے انھیں اپنے سامنے کھانا کھلایا اور خوشی خوشی واپس تشریف لے گئے۔ اعلیٰ حضرت کے لئے سادات کرام کا جائز حکم آخری ہوتا تھا۔ سادات کرام کے حکم کے بعد اعلیٰ حضرت کو سوائے تعمیل حکم کے اور کوئی چارہ کار ہی نہ ہوتا تھا۔

ہم نے (مولانا حسنین رضا خان) آپ کے والد ماجد کا دور تو نہیں دیکھا مگر یہ دیکھا کہ اللہ و رسول کے حکم کے بعد اعلیٰ حضرت کے ہاں سادات کرام کا ہی حکم نافذ ہوسکتا تھا۔ یہ ناقابل انکار حقیقت ہے کہ سرکار دو عالم کی آخری وصیت انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی

ترجمہ: میں تم میں دو بھاری امانتیں چھوڑتا ہوں۔ اللہ کی کتاب اور اپنی اولاد۔

پر پورا پورا عمل کر کے اس دور میں اعلیٰ حضرت قبلہ ہی نے دکھایا۔"

☆ ☆ ☆☆ ☆

ایک مرتبہ یوں ہوا کہ اعلیٰ حضرت اپنے چھوٹے بیٹے حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان صاحب کو پڑھا رہے تھے۔ طریقہ یہ تھا کہ پہلے پچھلا سبق سنتے

پھر اگلا سبق دیتے تھے۔ اب جو پچھلا سبق سنا تو وہ انہیں یاد نہ تھا۔ اس بات پر ان کو سزا دی۔ اعلیٰ حضرت کی والدۂ محترمہ جو دوسرے والان میں تشریف فرما تھیں انہیں کسی طرح اس بات کی خبر ہوگئی وہ حضرت حجۃ الاسلام کو بہت چاہتی تھیں۔ غصہ میں بھری ہوئی آئیں اور اعلیٰ حضرت قبلہ کی پشت پر ایک دوہتڑ مارا اور فرمایا "تم میرے حامد کو کیوں مارتے ہو۔"

اعلیٰ حضرت فوراً جھک کر کھڑے ہوگئے اور اپنی والدہ صاحبہ سے عرض کیا کہ اماں اور ماریئے جب تک آپ کا غصہ فرو نہ ہو جائے۔ یہ کہہ کر آپ جھک گئے آپ کی والدہ صاحبہ نے ایک دوہتڑ اور مارا۔ اعلیٰ حضرت بدستور سر جھکائے کھڑے رہے۔ یہاں تک کہ آپ کی والدہ صاحبہ مولانا حامد رضا کو لے کر چلی گئیں۔

اس دوران نہ تو اعلیٰ حضرت نے صفائی پیش کی کہ انہوں نے مولانا حامد رضا خان صاحب کو کیوں مارا حالانکہ آپ کہہ سکتے تھے کہ چونکہ انہوں نے سبق یاد نہ کیا تھا اس لئے ان کو سزا دی گئی اور نہ ہی ماں کے ساتھ جرح کی۔ بلکہ اپنی والدہ صاحبہ کو شدید غصہ کے عالم میں دیکھ کر خود کو نرم کرلیا۔ حالانکہ گھر والوں کو آپ کی تنک مزاجی معلوم تھی۔ مگر والدہ صاحبہ کی عزت و تکریم کی خاطر یہ سب کچھ خوشی خوشی برداشت کرگئے۔

اس وقت تو غصہ میں والدہ صاحبہ آپ کو دوہتڑ مار کر چلی گئیں مگر اس واقعہ کا ذکر جب کرتیں تو آبدیدہ ہوکر فرماتیں کہ "دوہتڑ مارنے سے پہلے میرے ہاتھ کیوں نہ ٹوٹ گئے کہ ایسے مطیع فرماں بردار بیٹے کو جس نے خود کو پٹنے کے لئے پیش کردیا۔ دوہتڑ کیسے مارا۔ افسوس۔"

یہ تھی اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی بڑوں کی عزت و تکریم۔ اسی لئے اللہ رب العزت نے ان کو گھر بیٹھے حیرت انگیز وقار عطا فرمایا تھا۔ ان کے دور میں اس کی ایسی کوئی دوسری مثال نہیں ملتی۔ دوست دشمن سب ان کا لوہا مانتے تھے اور اب بھی جو لوگ ان کو جانتے جارہے ہیں وہ ان کو اپنے دور کا سب سے بڑا

رہنما مانتے جا رہے ہیں۔ آج بھی بفضلہ تعالیٰ ان کی شخصیت سب سے پیش پیش ہے اور ہر نزاعی مسئلہ میں ان کے رسائل و فتاویٰ پر سب کی نظر ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ایک مرتبہ یوں ہوا کہ ایک نو عمر لڑکا اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور نہایت ہی بے تکلفی سے کہنے لگا کہ میری والدہ صاحبہ نے آپ کی دعوت کی ہے آپ کل صبح کھانا ہمارا گھر کھایئے گا۔ اس لڑکے کی بے تکلفی پر اعلیٰ حضرت نے تبسم فرمایا اور ازراہ مذاق دریافت فرمایا کہ

"ارے میاں صاحبزادے! ہمیں کیا کھلاؤ گے۔"

اس لڑکے نے اپنے کرتے کا دامن پھیلا کر دکھایا جو اس نے دونوں ہاتھوں میں پکڑا رکھا تھا۔ اس میں ماش کی دال اور کچھ مرچیں تھیں اور کہنے لگا کہ

"ہاں، ہاں! دیکھیے یہ کیا لایا ہوں۔"

اعلیٰ حضرت نے اس کے سر پر دست شفقت پھیرا اور فرمایا کہ

"اچھا بیٹا! میں اور حاجی کفایت اللہ صاحب دونوں آئیں گے۔"

یہ کہہ کر آپ نے حاجی صاحب سے فرمایا کہ حاجی صاحب اس بچہ سے اس کے گھر کا پتہ معلوم کرلیں۔ حاجی صاحب نے اس لڑکے سے اس کے گھر کا پتہ معلوم کرلیا اور وہ بچہ خوشی خوشی گھر چلا گیا۔ دوسرا دن جب آیا تو صبح سویرے گھر سے باہر تشریف لائے اور حاجی صاحب سے چلنے کا کہا۔ حاجی صاحب حیران ہوے مگر چلنے پر تیار ہوگئے۔

اس لڑکے نے گھر کا جو پتہ بتلایا تھا وہ محلہ ملوکپور میں تھا۔ جس وقت دونوں بزرگ اس مکان پر پہنچے تو دیکھا کہ لڑکا دروازے پر کھڑا منتظر ہے۔ اعلیٰ حضرت کو دیکھتے ہی لڑکا اندر کو بھاگا اور کہنے لگا اماں مولوی صاحب آگئے ہیں۔ ان کے دروازے پر ایک چھپر پڑا ہوا تھا۔ اس کے سایہ میں اعلیٰ حضرت اور

حاجی کفایت اللہ صاحب بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک ڈلیا میں باجرہ کی گرم گرم روٹیاں آگئیں اور مٹی کی رکابی میں ماش کی دال، جس میں مرچوں کے ٹکڑے کٹے ہوئے تھے یہ رکھ کر لڑکا کہنے لگا کہ

"مولوی صاحب! بسم اللہ کیجئے۔"

اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ

"میاں صاحبزادے! ہاتھ دھونے کے لئے پانی تو لاؤ۔"

جب وہ پانی لینے کے لئے گھر کے اندر چلا گیا تو حاجی صاحب نے عرض کیا۔

"اعلیٰ حضرت! یہ مکان تو نقارچی کا ہے۔"

اعلیٰ حضرت نے کبیدۂ خاطر ہو کر فرمایا کہ

"حاجی صاحب! ابھی سے کیوں کہہ دیا۔ بھلا کھانے کے بعد کہتے۔"

اس دوران لڑکا پانی کا برتن لے کر آگیا۔ اعلیٰ حضرت نے اس سے پوچھا کہ

"میاں صاحبزادے! تمہارے والد کہاں ہیں اور یہ تو بتلاؤ کہ وہ کیا کام کرتے ہیں۔"

آپ کی باتیں لڑکے کی ماں سن رہی تھی اس نے لڑکے کے بولنے سے پہلے عرض کیا کہ

"میرے شوہر کا انتقال ہو چکا ہے وہ پہلے بھی نوبت بجایا کرتے تھے، مگر وفات سے کچھ عرصہ پہلے انہوں نے توبہ کر لی تھی اور اب تو کمانے والا صرف یہ لڑکا ہے جو مستریوں کے ساتھ مزدوری کرتا ہے۔"

اعلیٰ حضرت نے اللہ کا شکر ادا کیا اور ان لوگوں کو کے لئے خیر و برکت کے لئے دعا کی۔ حاجی صاحب نے جب دیکھا کہ اعلیٰ حضرت بڑی رغبت سے کھانا کھا رہے ہیں تو وہ بھی شریک طعام ہو گئے۔ مگر یہ برابر سوچتے رہے کہ گھر پر تو اعلیٰ حضرت بڑی احتیاط برتتے ہیں مگر یہاں باجرہ کی روٹی اور ماش کی دال بڑے مزے سے کھا رہے ہیں۔

حالانکہ گھر پر سوائے بکرے کے گوشت یا چوزے کے شوربے کے اور کوئی چیز پیش نہیں کی جاتی تھی۔ کیونکہ جسمانی طور پر آپ کمزور ہو چکے تھے۔ جبکہ گردوں میں بھی مسلسل بیٹھے رہنے سے درد رہنے لگا تا۔ مگر آپ نے کبھی علالت، کمزوری یا دیگر عوارض کو دینی امور میں داخل نہیں ہونے دیا تھا۔

اس واقعہ سے آپ اندازہ لگائیں کہ اس زمانے میں پردے کا کس قدر خیال تھا کہ علاقے کے ایک نہایت نامور عالم دین اپنے ایک ساتھی کے ہمراہ دعوت پر چلے گئے اور ان کو گھر کے باہر ایک چھپر کے نیچے بٹھایا گیا اور وہ بیٹھ گئے نہ تو ان کے ساتھ مریدین کی فوج گئی اور نہ ہی اس عورت نے بے تکلفی سے ان دونوں کو گھر کے اندر بلوایا۔ اس کے علاوہ ایک اور بات بڑی غور طلب ہے کہ حضرت صاحب محض ایک ساتھی کے ہمراہ دعوت پر چلے گئے یہ نہیں کیا کہ مریدین کی فوج ہمراہ لے جاتے۔ یہی وہ بات تھی کہ جس نے احمد رضا خان کو تاقیامت "اعلیٰ حضرت" جیسا لافانی خطاب عطا کیا کہ آپ نے کبھی اپنی ذات کی نمائش نہیں کی تھی اور ہمیشہ سادگی کو پسند فرمایا تھا ورنہ آپ ایک لڑکے کی دعوت سے انکار بھی تو کر سکتے تھے مگر آپ نے اس کا دل توڑنا پسند نہ فرمایا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ایک روز ایک صاحب حاضر خدمت ہوئے اور اعلیٰ حضرت قبلہ کو مع ان کے ساتھیوں کے دعوت پر مدعو کر گئے۔ اگلے روز انہوں نے مہمانوں کو لانے کے لئے گاڑی بھیج دی۔ اعلیٰ حضرت کے ساتھیوں میں مولانا ظفرالدین صاحب بھی تھے۔ مکان پر گاڑی جب پہنچی تو مہمانوں کا پرتپاک استقبال کیا گیا۔ اعلیٰ حضرت کی طبیعت قدرے ناساز تھی۔ چنانچہ بڑے ادب سے گاڑی سے اتارا اور مکان کے اندر لے جا کر چارپائی پر بٹھا دیا۔

ہاتھ دھلانے کے بعد ایک ڈلیا میں روٹیاں اور رکابیوں میں گائے کے گوشت کا قیمہ پکا ہوا رکھ دیا۔ اعلیٰ حضرت نے مع احباب کھانا تناول کرنا شروع کر دیا۔

مگر مولانا ظفر الدین خان صاحب کو یہ تو معلوم ہی تھا کہ اعلیٰ حضرت گائے کا گوشت نہیں کھاتے کیونکہ یہ آپ کی صحت کے لئے مضر ہے اگر کبھی گھر میں گائے کا گوشت پکتا تو آپ روٹی شوربے سے کھا لیتے اور گوشت نہ کھاتے مگر یہاں تو معاملہ ہی اور تھا کہ قیمہ کھانا ہی پڑتا تھا اس میں یہ تو نہیں ہو سکتا تھا کہ شوربہ سے روٹی کھالی جائے۔

اعلیٰ حضرت ایک صاحب نظر بزرگ تھے۔ آپ کو معلوم ہو گیا کہ مولانا ظفر الدین خان صاحب کیا سوچ رہے ہیں۔ آپ نے مولانا صاحب کو بطور خاص مخاطب کر کے فرمایا کہ حدیث شریف میں ایک دعا وارد ہے کہ اگر اس دعا کو پڑھ کر جو کچھ بھی کھالیا جائے ہرگز ضرر نہ پہنچائے گا۔ وہ دعا یہ ہے۔

بسم اللہ الذی لایضر مع اسمہ شئی فی الارض ولافی السماء وھو السمیع العلیم۔

ترجمہ : میں اس اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جس کا نام نامی ہوتے ہوئے زمین و آسمان میں کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ وہ اللہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔

مولانا ظفر الدین صاحب فوراً سمجھ گئے کہ اعلیٰ حضرت نے ان کے دلی جذبات معلوم کر لئے ہیں اسی لئے ان کے دلی خطرات کو رفع کرنے کے لئے بطور خاص اس دعا کی تعلیم فرمائی ہے۔ اس کے باوجود مولانا صاحب چونکہ میزبان کے بے تکلف دوست تھے مولانا نے کہہ ہی دیا کہ

> حضرت! اگر آپ کی مالی حالت اس قدر کمزور تھی کہ آپ اعلیٰ حضرت کے لئے پرہیزی کھانا نہیں پکوا سکتے تھے تو آپ نے دعوت طعام ہی کیوں دی۔ حالانکہ آپ کو یہ تو معلوم ہی تھا کہ اعلیٰ حضرت کی صحت ان چیزوں کو کھانے کی اجازت نہیں دیتی اور آپ گھر میں انتہائی پرہیزی غذا تناول فرماتے ہیں۔"

میزبان نے برجستہ جواب دیا کہ

"مولانا صاحب! میں یہ جانتا ہوں کہ اعلیٰ حضرت کی صحت کمزور ہے اور آپ کو گھر میں انتہائی پرہیزی غذا دی جاتی ہے مگر اپنی مالی حالت کو درست کرنے کے واسطے تو اعلیٰ حضرت قبلہ کو مدعو کیا کہ آپ کے دم قدم سے میرے خراب مالی حالات درست ہو جائیں۔ مجھے یقین کامل ہے کہ آپ جب تناول فرما کر میرے لئے دعا فرمائیں گے تو میرے خراب حالات خود بخود درست ہو جائیں گے۔"

چنانچہ یہی ہوا کہ تھوڑے ہی دنوں میں ان کے حالات درست ہو گئے اور مالی کمزوری دور ہو گئی۔ اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے معتقد کیسے کیسے جہاندیدہ حضرات تھے۔ ان کو معلوم تھا کہ اعلیٰ حضرت کی صحت حالانکہ بد پرہیزی کی اجازت نہیں دیتی مگر آپ دعوت پر بلوائے جانے پر بھی انکار نہیں فرماتے اور اسی کے ساتھ ساتھ آپ دعوت میں پیش کی جانے والی ہر شے کو کمال اطمینان سے تناول فرما لیتے تھے کبھی آپ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ میں یہ چیز پسند نہیں کرتا یا کبھی یوں نہیں ہوا کہ آپ نے دعوت سے قبل اپنے احباب میں سے کسی کو خاص تاکید کے ساتھ میزبان کے ہاں روانہ کیا ہو کہ میزبان سے کہو کہ یہ پکائے یا وہ پکائے۔

دوسری بات یہ بڑی عظیم ترین ہے کہ آپ کی حیات مبارک کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ جب بھی کسی دعوت پر تشریف لے کر گئے تو صرف ایک ہی صاحب آپ کے ساتھ گئے۔ ہمیں یہ نظر نہیں آتا کہ آپ کے ساتھ احباب کی ایک بڑی یا چھوٹی تعداد ہو۔ جیسا کہ آج کل ہمارے ہاں رواج بن چکا ہے۔ صورتحال بڑی تشویش ناک ہے۔ کیونکہ اس طرح غریب لوگ علمائے کرام اور پیران عظام کی دعوت ہی نہیں کر پاتے ان کے خیال میں یہ تو خاصی معقول رقم کا کام ہے۔

مگر اعلیٰ حضرت کی سیرت پاک کے مطالعہ سے یہ بات بڑی وضاحت سے نظر آتی ہے کہ آپ نے خود ہی لوگوں کے دلوں میں یہ شوق ڈالا کہ دعوت پر بلایا جائے۔ پھر جب آپ کو کسی دعوت پر بلوایا جاتا تو آپ اپنے ساتھ فقط ایک مصاحب ہی کو لے کر جاتے مبادا صاحب خانہ پریشان ہی نہ ہو جائے۔ ہمیں بھی اسی روش کو اپنانا چاہئے کیونکہ بزرگوں کی زندگیوں کے مطالعہ سے ہمیں بہت کچھ حاصل ہوتا ہے ہاں مگر! حاصل کرنے کی کوشش اگر کی جائے تو۔ ورنہ لاحاصل ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اعلیٰ حضرت احمد رضا خان صاحب بریلوی علیہ الرحمتہ کی فطرت میں ایثار کو بڑا دخل تھا اور اس کے لئے پہلے سے کسی خاص تعارف یا کسی واسطے کی یا کسی تعلق کی قطعی حاجت نہ تھی۔ آپ کی نظر میں کسی شخص کا فقط مسلمان ہونا ہی بڑی بات تھی اور اس میں آپ اس سے ہمدردی کرتے تھے۔

جناب مقبول احمد خان صاحب جو کہ بعد میں صدر مدرس و مہتمم مدرسہ حمیدہ در بھنگر ہوئے ان کا کہنا ہے کہ "میں جب ٹونک میں مولانا حکیم برکات احمد صاحب سے پڑھا کرتا تھا وہاں ایک بزرگ تشریف لائے جو بڑی مستجاب الدعوات شخصیت تھے اور ان کے تعویذات کا بھی بڑا شہرہ تھا۔ ان کے متعلق یہ بات بڑی شہرت رکھتی تھی کہ وہ جس مقصد کے لئے تعویذ دیتے تھے تیر بہدف ثابت ہوتا تھا۔ جس مقصد کے لئے کوئی تعویذ لے کر جاتا کامیابی اس کے قدم چومتی تھی۔ لوگ اپنے مقصد کے حاصل ہونے پر ان کی خدمت میں کافی نذرانے لے کر حاضر ہوتے۔

میں نے یہ صورتحال دیکھ کر کسی قسم کے تعویذ کی فرمائش نہ کی اس کا شاید انہیں پتہ چل گیا۔ چنانچہ ایک روز انہوں نے فرمایا کہ تم کوئی تعویذ کیوں نہیں لیتے۔ میں نے عرض کیا کہ میرے پاس نذر کرنے کے لئے تو کچھ بھی نہیں

ہے کہ میں تعویذ کی خواہش کروں۔

انہوں نے فرمایا کہ وہ کسی سے کچھ مانگتے تو نہیں ہیں۔ جو کچھ کوئی دے دیتا ہے، رکھ لیتے ہیں۔ یہ بھلا کوئی زبردستی تو نہیں۔ تم کسی قسم کی نذر مت دینا۔ اس کے بعد خود ہی مجھے ایک عدد نقش عطا فرمایا مگر یہ بھی تاکید فرمائی کہ اس کو سونے کے لوح پر شرف آفتاب میں کندہ کروا کر انگوٹھی پر جڑوا کر پہن لو۔ تسخیر واکسیر ہے۔

اللہ کی شان ہے کہ مجھے حسب ضرورت سونا بھی حاصل ہو گیا اور انگوٹھی پر کندہ کرنے والا بھی مل گیا۔ مگر مجھے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ شرف آفتاب کب ہے۔ لوگوں سے جب معلوم کیا تو اکثر کو اس فن سے ناواقف ہی پایا۔ کسی دوست سے معلوم ہوا کہ اس فن میں اعلیٰ حضرت احمد رضا خان صاحب بریلوی کمال رکھتے ہیں۔

چنانچہ میں نے ٹونک سے ایک عریضہ ارسال کیا اور دریافت کیا کہ مجھے آپ یہ بتلا دیں کہ اس سال شرف آفتاب کس وقت ہے اور یہ کس وقت تک رہے گا۔ میرا عریضہ جس دن اعلیٰ حضرت کو ملا اتفاق سے اس کے دوسرے روز شرف آفتاب تھا۔ اگر اعلیٰ حضرت بذریعہ ڈاک اس خط کا دیتے تو اس میں کافی دن لگ جاتے اور یوں شرف آفتاب نکل جاتا۔ یوں مجھے ایک برس مزید انتظار کرنا پڑتا۔ اور یہ پورا برس مجھے پچھتاوے کے ساتھ گزارنا پڑتا۔ اس بات کا احساس اعلیٰ حضرت کو ہوا چنانچہ آپ نے اس مسئلے کو یوں حل فرمایا کہ اپنے ہی خرچ پر مجھے ایک تار ارسال فرمایا جس میں مجھے بتایا گیا کہ کل صبح نو بجے شرف آفتاب شروع ہو گا اور ایک دن اور ایک رات رہے گا۔

آپ کی ذرہ نوازی کہ مجھے تار بروقت مل گیا اور میں نے مقررہ وقت میں ہی سونے کے پترے پر نقش کندہ کروا لیا تھا۔ یہ انگوٹھی میں ہر وقت پہنے رہتا ہوں۔ جس وقت بھی میری نظر انگوٹھی پر پڑتی ہے تو بے اختیار مجھے اعلیٰ حضرت احمد رضا خان صاحب بریلوی ﷺ کی بزرگانہ شفقت یاد آجاتی ہے کہ کس طرح

آپ نے ایک طالب علم کی پریشانی کا احساس فرمایا۔ بڑوں کی بڑی باتیں ہوتی ہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اعلیٰ حضرت کے بھتیجے مولانا حسنین رضا خان صاحب رقمطراز ہیں کہ "اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے ایثار کی ایک بے مثل تقسیم جائیداد کا مسئلہ بھی تھا جن کی تفصیل بہت جگہ گھیرے گی' مختصراً ذکر کرتا ہوں۔ اعلیٰ حضرت قبلہ کے والد ماجد نے اپنی دوران علالت علاقے کی تقسیم کا دفعتاً" ارادہ کر لیا۔ اور موضعات کی حقیقت اپنی دو بیٹیوں کو دے کر باقی تمام مواضعات اعلیٰ حضرت قبلہ کو لکھے۔ جبکہ پچاس پچاس روپے ماہوار ان کے دونوں بھائیوں کو ان مواضعات کی آمدنی سے دینا لکھے۔ وہ دونوں بھائی یعنی مولوی حسن رضا خان اور مولوی محمد رضا خان' اعلیٰ حضرت سے چھوٹے تھے۔ عم مکرم مولوی محمد رضا خان تو بہت ہی کم عمر تھے ان دونوں میں اتنی بڑی جائیداد کی تقسیم کے معاملے کو سمجھنے کا شعور بھی نہ ہوا تھا۔

اعلیٰ حضرت قبلہ نے اس وقت ان دونوں بھائیوں کی وکالت فرمائی۔ مذکورہ بالا مسودہ جب آپ کے والد ماجد نے آپ کی والدہ ماجدہ کو دیا کہ امن میاں (اعلیٰ حضرت قبلہ) کو دکھا لیں تو میں اسے رجسٹری کرا دوں۔ والدہ صاحبہ نے وہ مسودہ اعلیٰ حضرت کو دے دیا۔ آپ نے دیکھا' دیکھ کر آبدیدہ ہو گئے اور چہرہ تمتمانے لگا۔ آپ نے فرمایا کہ

"اس مسودے کی دونوں باتیں ہی مجھے نامنظور ہیں نہ مجھے اپنے بھائیوں کے حصوں کی کمی منظور ہے اور نہ ہی ان کو اپنا دست نگر بنانا چاہتا ہوں۔ میری خوشی یہ ہے کہ برابر کے تین حصے کر دیئے جائیں اور ہر ایک کا حصہ اس کے نام لکھ دیا جائے جس کا ہے۔"

یہ فرما کر آپ نے اس مسودہ کو چاک کر دیا۔ آپ کی والدہ محترمہ نے

آپ کا یہ جواب' والد محترم تک پہنچایا تو آپ کے والد محترم نے آپ کی والدہ صاحبہ سے فرمایا کہ یہ میں جانتا ہوں کہ اس دنیا میں امن میاں صرف دین ہی کی خدمت کریں گے اور ان کے یہ دونوں بھائی اور کچھ دنیا کما کر ان پچاس روپوں میں اضافہ کر لیا کریں گے جو ان کے گزارے کے لئے کافی ہو گا۔

جب اعلیٰ حضرت راضی نہ ہوئے تو آپ کے والد ماجد نے دوسرا مسودہ لکھا اس میں کل کی آدھی جائیداد اعلیٰ حضرت قبلہ کو لکھی گئی اور بقیہ آدھی جائیداد میں ان دونوں بھائیوں کو برابر کا شریک کر دیا اور یہ مسودہ بھی اعلیٰ حضرت کی والدہ ماجدہ کو دیا کہ امن میاں کو دکھاؤ اور ان سے کہو کہ اب اس میں کوئی ترمیم نہیں ہو سکتی میں تم کو بحق پدری حکم دیتا ہوں کہ تم اسے مان لو تو جلد ہی رجسٹری ہو جائے۔ چنانچہ مسودہ رجسٹری ہو گیا اور چند ہی روز بعد حضرت مولانا نقی علی خان صاحب یعنی والد ماجد اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے وفات پائی۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

والد محترم کی وفات کے بعد اعلیٰ حضرت نے اپنی والدہ صاحبہ کو اس بات پر راضی کر لیا کہ آپ گھر کا نظم اس طرح کر لیں کہ زیادہ سے زیادہ روپیہ پس انداز ہو اور بچت کے روپے سے دوسری جائیداد خرید کر میرے دونوں بھائیوں کی جائیداد میری جائیداد کے برابر کر لیں۔ اس جائیداد کے ملحقہ حصے مولانا نقی علی خان کے چار بھائیوں کے پاس تھے۔ وہ چار بھائی تھے خرچ زیادہ تھا اور آمدنی کم۔ انہوں نے مقدمہ بازی شروع کر دی۔ جس سے وہ ہارتے رہے۔ انہیں مقدمہ بازی کے دور میں اپنی جائیداد کے حصص فروخت کرنا پڑے اور وہ حصص اعلیٰ حضرت کی والدہ ماجدہ نے خریدنا شروع کر دیئے۔

جب تک مقدمہ بازی کا دور چلتا رہا (جو سات آٹھ سال رہا) ان کی جائیداد کی ادھر سے خریداری ہوتی ہوتی۔ مقدمہ بازی جب ختم ہوئی تو خریداری بھی بند کر دی گئی اور یہ بھی ہوا کہ اعلیٰ حضرت اور آپ کے دونوں بھائیوں کی اولادیں بڑھیں۔ رہائشی مکان ناکافی ہو گیا تو مکان آپس میں تقسیم

کر کے تینوں بھائی علیحدہ علیحدہ اپنے اپنے مکانوں میں منتقل ہو گئے۔ اب خرچ بہت بڑھ گیا اور اس وجہ سے بھی جائیداد کی خریداری روکنا پڑی۔ ادھر ان کے بھائیوں نے بھی دیکھا کہ اس جزرس کی وجہ سے اعلیٰ حضرت کے اخراجات میں تنگی ہو جاتی ہے انہوں بھی اس اسکیم کو بند کرا دیا۔

اس ترکیب سے کافی جائیداد خرید کر دونوں بھائیوں کے نام کی گئی مگر پھر بھی ان دونوں بھائیوں کی آمدنی انفرادی طور پر اعلیٰ حضرت کی آمدنی سے کچھ کم ہی رہی۔ ہمیں تو اعلیٰ حضرت کی ذات پر بڑا فخر ہے کہ انہوں نے میرے باپ اور چچا کو زمیندار بنایا ورنہ یہ دونوں پچاس پچاس روپے ماہوار پاتے اور پھر دنیا کی کشمکش میں پڑے رہتے مگر اعلیٰ حضرت کے اخراجات دیکھتے ہوئے میرے نزدیک علاقے کی تقسیم زیادہ مناسب تھی۔ ایثار کی ایسی کوئی مثال اس دور میں میری نظر سے نہیں گزری۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ اگر تارک الدنیا (اگرچہ وہ اسے پسند نہ فرماتے تھے) ہو کر ساری جائیداد بھائیوں کو دے دیتے تو کوئی کمال نہ تھا مگر دنیا میں رہ کر دنیا کے اتنی زبردست ٹھوکر جاننا انہی کا دل گردہ تھا۔ یہ ایثار اس عمر میں کیا جس عمر میں ہر آدمی امیدوں، آرزوؤں، ارمانوں اور امنگوں کی رو میں بہتا ہے۔ اس عمر میں اس کو بڑا لالچ ہوتا ہے اور تحصیل زر کے سلسلے میں حلال و حرام کا امتیاز بھی نہیں کیا جاتا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اعلیٰ حضرت احمد رضا خان صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ ہر شخص کی لیاقت کے مطابق گفتگو فرمایا کرتے تھے۔ آپ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ ہر شخص کے ساتھ اس کی سمجھ بوجھ کے مطابق بات چیت فرماتے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی زبان حق گو سے نکلنے والا ہر حرف مخاطب کے دل میں اتر جایا کرتا تھا۔ یہ کبھی نہ ہوا تھا کہ آپ ہر کس و ناکس سے بلند درجہ زبان دانی سے گفتگو فرماتے بلکہ عام پڑھے لکھے لوگوں سے ان کی سطح کے مطابق اور بالکل ان پڑھ لوگوں سے ان کی سطح کے موافق گفتگو

فرماتے اور اگر کوئی ماہر علم و فن آجاتا تو پھر دیکھنے والے دیکھتے کہ آپ علم و فن کے ایک بلند پایہ عالم کا روپ اختیار فرمالیتے۔

حدیث نبوی ﷺ ہے کہ

کلموا الناس علی قدر عقولھم

لوگوں سے ان کی عقلوں کے موافق بات چیت کرو۔

اگر یہ کہا جائے تو قطعاً" بے جانہ ہوگا کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمتہ اس حدیث مبارکہ کی مجسم تصویر تھے اگر کوئی شخص جو تحقیق کا سودا اپنے ذہن میں رکھتا ہو آپ کی حیات مبارکہ پڑھ لے۔ اس کو اس حدیث مبارکہ کی مکمل تفسیر نظر آئے گی۔ پچھلے اوراق میں ایک طالب علم کا واقعہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ اس نے آپ کو فقط ایک خط لکھا کہ شرف آفتاب کب ہے۔ آپ نے اس کی حالت کا خود ہی اندازہ فرمایا اور اس کو اپنے خرچ پر تار دے کر مطلع فرمایا۔ وگرنہ اگر دیکھا جائے تو یہ قطعی طور پر آپ کا فرض نہ تھا کہ فقط ایک خط کے لئے اس قدر تردد کیا جاتا۔ مگر اسی تردد کی وجہ آپ کی عادت شریفہ تھی کہ کسی کو بھی پریشان نہ دیکھنا اور ہر کسی کی پریشانی میں اس کی مدد کرنا۔

حضرت حسن رضا خان صاحب فرماتے ہیں کہ "ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ محب اللہ خان صاحب قبلہ بہت غریب اور بڑے اکھڑ پٹھان تھے۔ آپ نماز کی بڑی سخت پابندی کرنے والے تھے۔ ان کی رہائش سوداگری محلہ میں تھی۔ وہ کبھی اعلیٰ حضرت قبلہ کی ملازمت کرتے تھے اور کبھی وہاں سے ناراض ہوکر حلوائی کا خوانچہ لگا لیتے تھے۔ یوں ان کی گزر اوقات ہو جاتی تھی۔ وہ ایک مرتبہ نماز ظہر پڑھنے مسجد میں داخل ہوئے اور انہوں نے سنتوں کی نیت کی۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ اس وقت وظیفہ پڑھ رہے تھے۔

آپ کی عادت شریفہ تھی کہ دوران وظیفہ دوسرے نمازیوں کی نگرانی فرمایا کرتے تھے کہ وہ کس طرح نماز ادا کرتے ہیں۔ محب اللہ خان صاحب کو اعلیٰ حضرت نے دیکھا کہ وہ رکوع میں سر کو اوپر کی جانب اٹھائے ہوئے قبلہ کو دیکھتے

رہتے ہیں۔ جب وہ سلام پھیر چکے تو اعلیٰ حضرت نے ان کو قریب بلوایا اور فرمایا کہ

"خان صاحب! آپ یہ تو بتائیں کہ آپ رکوع میں سر کو اٹھائے آگے کیوں دیکھتے رہتے ہیں۔"

محب اللہ خان صاحب تنک کر بولے کہ

"تو کیا میں رکوع میں کعبہ سے منہ پھیر لوں۔"

آپ نے فرمایا کہ (اب یہ جواب کسی بھی بلند منصب کی حامل شخصیت کو دینے کے قابل نہیں ہے۔ لازمی بات ہے کہ اچھے خاصے سرد مزاج آدمی کو اس قدر سخت سوال کا جواب سے طیش آ جاتا ہے مگر اعلیٰ حضرت کی شخصیت ان اوصاف سے مزین تھی کہ آپ فوراً اس شخص کی ذہنی قوت کا اندازہ فرما لیتے تھے۔ لوگ بھی لازمی بات ہے کہ اس موقع پر اکٹھے ہو چکے ہوں گے ان میں سے چند خان صاحب کی بات پر غور کر رہے ہوں گے کہ واقعی اس طرح تو بندے کا منہ قبلے سے پھر جاتا ہے۔ مگر اعلیٰ حضرت نے اس تنک مزاج شخص کے ترش سوال کا جواب کمال عالمانہ انداز میں یوں مرحمت فرمایا کہ)

"خان صاحب! سجدہ کیا آپ ٹھوڑی پر کرتے ہیں۔ اس واسطے کہ پیشانی زمین پر رکھنے سے کعبہ سے منہ پھر جاتا ہے۔"

کس قدر مدلل جواب ہے۔ خان صاحب اور دیگر حاضرین اس جواب کو سن کر سناٹے میں آ گئے۔ مگر اس کے بعد محب اللہ خان صاحب رکوع میں حسب ہدایت پاؤں کی انگلیوں کی طرف نظر رکھتے تھے۔ کبھی انہوں نے منہ اٹھا کر سامنے کی طرف نہ دیکھا۔

یہ مسئلہ انہیں اگر مسئلہ کے طور پر سمجھایا جاتا تو وہ کبھی نہ سمجھ سکتے تھے اور اپنے بنائے ہوئے اصول کو ہرگز نہ چھوڑتے مگر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے اس انداز نے ان کے خود ساختہ اصول کو درہم برہم کر دیا اور اس معاملے میں ان کے دماغ کی کایا ہی پلٹ کر رکھ دی۔

اعلیٰ حضرت کی حاضر جوابی خصوصاً ایسے رموز و نکات میں انتہائی حیرت انگیز تھی اور یہ مہارت کسی خاص علم و فن کے ساتھ مخصوص نہ تھی۔ ہر علم و فن کی مشکلات فی البدیہہ حل فرما دیتے تھے۔ عموماً کوئی شخص کسی کی زبان سے کوئی بات توجہ سے سنتا ہے تو اس کے دماغ میں ان الفاظ کے معانی آتے ہیں۔ اسی طرح اعلیٰ حضرت کے دماغ میں ان معانی کے ساتھ اس کے جواب کے الفاظ آتے تھے اور وہ بوقت ضرورت باقاعدہ ابجد ان الفاظ کے جو اعداد ہوتے وہ بھی آتے تھے ورنہ فی البدیہہ کسی مسئلہ کا جواب دے دینا ممکن ہی نہیں تھا یا یہ کہ ہر موقع پر آپ کی زبان کسی ملکوتی قوت کے اقتدار میں حرکت کرتی تھی، جہاں سہو و نسیان کا گویا گزر ہی نہیں ہوتا تھا۔

ان کا ہر جواب ایسا ہوتا تھا کہ بڑے غور و خوض کے بعد دیا گیا ہو اس لئے آپ کی فی البدیہہ گفتگو پر بھی کبھی کوئی گرفت آج تک نہ ہو سکی۔ لوگ ان کا منہ ہی تکا کرتے۔ ان کے زمانے میں کسی صاحب علم کا ایسا عبور شاہی نہ گیا ہو ہر علم و فن پر یہاں روز و شب دیکھا گیا۔ ان کی ساری زندگی اسی میں صرف ہوتی۔ مگر اس پوری زندگی میں یہ الفاظ ان کی زبان مبارک سے کسی نے نہ سنے کہ اس سوال کا پھر کسی وقت جواب دوں گا۔ اور نہ یہ کہ الفاظ جواب میں کبھی کوئی لفظ شک کا استعمال کیا۔ مخالفین بھی ان کی اس برتری کے قائل تھے۔"

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اعلیٰ حضرت کے نامور شاگرد و خلیفہ حضرت محدث کچھوچھوی سید احمد اشرف جیلانی علیہ الرحمتہ نے ایک واقعہ آپ کی عادات کے سلسلہ میں یوں بیان فرمایا کہ اعلیٰ حضرت کی عادت شریفہ میں غوث پاک ﷺ کا کس درجہ احترام تھا اور اعلیٰ حضرت سرکار غوث پاک ﷺ سے کس قدر عقیدت رکھتے تھے۔ آپ فرماتے ہیں کہ

"میں اس سرکار میں کس قدر شوخ تھا یا شوخ بنا دیا گیا تھا،

اپنا جواب اعلیٰ حضرت کی نشست کی چارپائی پر اٹھ کر عرض کرنے لگا کہ حضور! کیا اس علم کا کوئی حصہ عطا نہ ہوگا' جن کا علمائے کرام میں نشان بھی نہیں ملتا۔ مسکرا کر فرمایا کہ میرے پاس علم کہاں' جو کسی کو دوں' یہ تو آپ کی جد امجد سرکار غوثیت کا فضل و کرم ہے اور کچھ نہیں۔

یہ جواب مجھ ننگ خاندان کے لئے تازیانہ عبرت بھی تھا کہ لوٹنے والے لوٹ کر خزانے والے ہوگئے اور میں "پدرم سلطان بود" کے نشہ میں پڑا رہا اور یہ جواب اس کا بھی نشان دیتا ہے کہ علم راسخ والے مقام تواضع میں تیار ہو کر اپنے کو کیا کہتے ہیں۔ یہ شوخی میں نے بار بار کی اور یہی جواب عطا ہوتا رہا اور ہر مرتبہ میں ایسا ہوگیا کہ میرے وجود کے سارے کل پرزے معطل ہوگئے ہیں۔"

ایک اور جگہ آپ ایک اور واقعہ بھی ارشاد فرماتے ہیں کہ "دوسرے روز کار رفقاء پر مجھے لگانے سے پہلے خود گیارہ روپے کی شیرینی منگوائی' اپنے پلنگ پر مجھ کو بٹھا کر اور شیرینی رکھ کر فاتحہ غوثیہ پڑھ کر' دست کرم سے شیرینی مجھ کو بھی عطا فرمائی اور حاضرین میں تقسیم کا حکم دیا کہ اچانک اعلیٰ حضرت پلنگ سے اٹھ پڑے۔ سب حاضرین کے ساتھ میں بھی کھڑا ہوگیا کہ شاید کسی شدید حاجت سے اندر تشریف لے جائیں گے۔

لیکن حیرت بالائے حیرت یہ ہوئی کہ اعلیٰ حضرت زمین پر اکڑوں بیٹھ گئے۔ سمجھ میں نہ آیا کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ دیکھا تو یہ دیکھا کہ تقسیم کرنے والے کی غفلت سے شیرینی کا ایک ذرہ زمین پر گر گیا تھا۔ اعلیٰ حضرت اس ذرے کو نوک زبان

سے اٹھا رہے ہیں اور پھر نشست گاہ پر بدستور تشریف فرما ہوئے۔ اس کو دیکھ کر سارے حاضرین سرکار غوثیت کی عظمت و محبت میں ڈوب گئے اور فاتحہ غوثیہ کی شیرینی کے ایک ایک ذرے کے تبرک ہو جانے میں کسی دوسری دلیل کی حاجت نہ رہ گئی۔

اب میں نے سمجھا کہ بار بار مجھ سے جو فرمایا گیا کہ میں کچھ نہیں، یہ آپ کی جد امجد کا صدقہ ہے، وہ مجھے خاموش کر دینے کے لئے ہی نہ تھا اور نہ صرف مجھ کو شرم دلانا ہی تھی بلکہ درحقیقت اعلیٰ حضرت، غوث پاک کے ہاتھ میں "چوں قلم در دست کاتب" تھے، جس طرح غوث پاک، سرور عالم محمد رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں "چوں قلم در دست کاتب تھے اور کون نہیں جانتا کہ رسول پاک ﷺ اپنے رب کی بارگاہ میں ایسے تھے کہ قرآن کریم نے فرمادیا۔

وما ینطق عن الھوی ان ھوالا وحئی یوحی

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

مولانا ظفرالدین بہاری "حیات اعلیٰ حضرت صفحہ 204 میں بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ بعد از نماز جمعتہ المبارک اعلیٰ حضرت پھاٹک میں تشریف فرما تھے کہ شیخ امام علی قادری رضوی کی قناعت علی، قناعت پکارنے کی آواز آئی۔ اعلیٰ حضرت نے انہیں بلوایا اور فرمایا کہ

"عزیزم! سید صاحب کو اس طرح پکارتے ہو؟"

مولوی نور محمد صاحب نے ندامت سے نظریں جھکا لیں۔ آپ نے فرمایا کہ

"سادات کی تعظیم کا آئندہ خیال رکھئے اور جن عالی

گھرانے کے یہ افراد ہیں اس کی عظمت کو ہمیشہ پیش نظر رکھیئے۔"

اس کے بعد حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ
"سادات کا اس درجہ احترام ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ قاضی اگر کسی سید پر حد لگائے تو یہ خیال تک نہ کرے کہ میں اسے سزا دے رہا ہوں' بلکہ یوں تصور کرے کہ شاہزادے کے پیروں میں کیچڑ بھر گئی ہے اسے دھو رہا ہوں۔"

ایک اور واقعہ مولانا ظفرالدین بہاری "حیات اعلیٰ حضرت" کے صفحہ نمبر 203 پر رقم کرتے ہیں کہ

"اعلیٰ حضرت کے ہاں دستور تھا کہ میلاد شریف کے موقع پر سید حضرات کو آپ کی حکم سے دوگنا حصہ ملا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ سید محمود جان صاحب کو تقسیم کرنے والے کی غلطی سے اکہرا حصہ ملا۔ اعلیٰ حضرت کو معلوم ہوا تو فوراً تقسیم کرنے والے کو بلویا اور اس سے ایک خوان شیرینی کا بھروا کر منگوایا اور پھر معذرت چاہتے ہوئے سید صاحب موصوف کی نذر کیا اور تقسیم کرنے والے کو ہدایت کی کہ آئندہ ایسی غلطی کا اعادہ نہ ہو کیونکہ ہمارا کیا ہے' سب کچھ ان حضرات کے ہی عالی گھرانے کی بھیک ہے۔"

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

"موسم سرما میں ایک مرتبہ ننھے میاں صاحب (اعلیٰ حضرت کے برادر خورد' مولانا محمد رضا خاں صاحب) قدس سرہ نے اعلیٰ حضرت کی خدمت میں ایک فرد پیش کی۔ اعلیٰ حضرت کا ہمیشہ یہ معمول تھا کہ سردیوں میں رزائیاں تیار

کروا کر غرباء میں تقسیم فرمایا کرتے تھے۔ اس وقت تک سب رزائیاں تقسیم ہو چکی تھیں۔ ایک صاحب نے اعلیٰ حضرت سے رزائی کی درخواست کی تو آپ نے ننھے میاں صاحب والی وہی فرد اپنے اوپر سے اتار کر اسے عنایت فرما دی۔

(ایضاً" : ص 51)

اسی سلسلے میں ایک واقعہ اور ملاحظہ فرمایئے۔

"جناب ذکا اللہ خاں صاحب کا بیان ہے کہ سردی کا موسم تھا' بعد نماز مغرب اعلیٰ حضرت حسب معمول پھاٹک میں تشریف لا کر سب لوگوں کو رخصت کر رہے تھے خادم کو دیکھ کر فرمایا: آپ کے پاس رزائی نہیں ہے؟ میں خاموش ہو رہا۔ اس وقت اعلیٰ حضرت جو رزائی اوڑھے ہوئے تھے وہ خادم کو دے کر فرمایا کہ اسے اوڑھ لیجئے۔ خادم نے بصد ادب قدم بوسی کی سعادت حاصل کی اور فرمان مبارک کی تعمیل کرتے ہوئے وہ رزائی اوڑھ لی۔ (ظفرالدین بہاری' علامہ :حیات اعلیٰ حضرت' از صفحہ 50)

اسی سلسلے میں مزید ایک واقعہ اور پیش خدمت ہے جو مذکورہ بالا واقعے کے بعد پیش آیا۔

"اس واقعے کے دو تین روز بعد اعلیٰ حضرت کے لئے نئی رزائی تیار ہو گئی۔ اسے اوڑھتے ہوئے ابھی چند ہی روز گزرے تھے کہ ایک رات مسجد میں کوئی مسافر آیا جس نے اعلیٰ حضرت سے گزارش کی کہ میرے پاس اوڑھنے کے لئے کچھ نہیں ہے آپ نے وہ نئی رزائی اس مسافر کو عطا فرما دی۔

(ایضاً" : ص 50)

امام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ کی سخاوت و غربا پروری گردو

نواح میں مشور تھی۔ اس بارے میں آپ کے سوانح نگار مولانا بدر الدین احمد مدظلہ یوں رقمطراز ہیں:

"کاشانہ اقدس سے کوئی سائل خالی واپس نہ ہوتا۔ بیوگان کی امداد اور ضرورت مندوں کی حاجت روائی کے لئے آپ کی جانب سے ماہوار رقمیں مقرر تھیں اور یہ امداد صرف مقامی لوگوں کیلئے یہ نہ تھی بلکہ بیرو نجات میں بذریعہ منی آرڈر امدادی رقم روانہ فرمایا کرتے"۔ "بدر الدین احمد' مولانا :سوانح اعلیٰ حضرت' ص90)

دور دراز کی امداد کے سلسلہ میں ایک عجیب واقعہ پیش خدمت ہے:

"ایک دفعہ مدینہ طیبہ سے ایک شخص نے پچاس روپے طلب کئے لیکن اتفاق ایسا ہوا کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے پاس اس وقت ایک روپیہ بھی نہیں تھا۔ اعلیٰ حضرت نے بارگاہ رسالت میں التجا کی حضور! میں نے کچھ بندگان خدا کے مہینے (ماہوار وظیفے) آپ کی عنایت کے بھروسے پر اپنے ذمے مقرر کر لئے ہیں' اگر کل پچاس روپے کا منی آرڈر کر دیا گیا تو بروقت ہوائی ڈاک سے پہنچ جائے گا۔ یہ رات آپ نے بڑی بے چینی سے گزاری۔ علی الصبح ایک سیٹھ صاحب حاضر بارگاہ ہوئے اور مولوی حسنین رضا خاں صاحب کے ذریعے مبلغ اکاون روپے بطور نذرانہ عقیدت حاضر خدمت کئے۔ جب مولوی صاب موصوف نے اکاون روپے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی خدمت میں جا کر پیش کئے تو آپ پر رقت طاری ہوگئی اور مذکورہ بالا ضرورت کا انکشاف فرمایا' ارشاد ہوا یہ یقیناً" سرکاری عطیہ ہے۔ اس لئے کہ اکاون روپے کے کوئی معنی نہیں ہوا ئے اس

کے کہ پچاس بھیجنے کے لئے فیس منی آرڈر بھی تو چاہئے۔
چنانچہ اسی وقت منی آرڈر کا فارم بھرا گیا اور ڈاک کھانہ کھلتے
ہی منی آرڈر روانہ کر دیا گیا۔" (ظفرالدین بہاری' مولانا :
حیات اعلیٰ حضرت' ص52)

امام احمد رضا خاں بریلوی کی سخاوت کا یہ سلسلہ ہروقت جاری رہتا تھا ادھر آیا اور ادھر مصارف ضروریہ اور غرباء میں تقسیم ہو گیا۔ بعض اوقات تو حوائج ضروریہ کے لئے ایک پیسہ تک پلے نہیں رہتا تھا' حالانکہ صاحب جائداد اور خاندانی رئیس تھے۔ سخاوت کی انتہا معلوم کرنے کی غرض سے مجدد مائۃ حاضرہ قدس سرہ کے اولین سوانح نگار اور آپ کے خلیفہ ارشد ملک العلماء علامہ ظفرالدین بہاری علیہ الرحمہ کا حیرت انگیز انکشاف ملاحظہ ہو :

"ایک مرتبہ ایسے ہی موقع پر تقسیم کرتے ہوئے فرمایا
کہ کبھی میں نے ایک پیسہ زکوٰۃ کا نہیں دیا اور یہ بالکل صحیح
ارشاد فرمایا کہ حضور پر زکوٰۃ فرض ہی نہیں ہوئی تھی۔ زکوٰۃ
فرض تو جب ہو کہ مقدار نصاب ان کے پاس سال تمام تک
رہے اور یہاں تو یہ حال تھا کہ ایک طرف سے آیا' دوسری
طرف گیا۔" (ایضا : ص53)

امام اہلسنت نے اس عدیم المثال طریقے پر غرباء پروری کا کام جاری رکھا۔ جو کچھ حاصل ہوا' عمر بھر یتیموں' بیواؤں' اپاہجوں' مسکینوں اور ناداروں پر لٹاتے رہے۔ حوائج ضروریہ' خدمت و اشاعت دین اور مہمان نوازی کے بعد جو کچھ تھا سب غریبوں کے لئے تھا۔ دم واپسیں بھی آپ نے غریبوں کو فراموش نہیں کیا بلکہ فقراء کے بارے میں اپنے عزیز و اقارب کو یوں وصیت فرماتے ہیں :

"فاتحہ کے کھانے سے اغنیاء کو کچھ نہ دیا جائے صرف
فقراء کو دیں اور وہ بھی اعزاز اور خاطرداری کے ساتھ'

نہ جھڑک کر' غرض کوئی بات خلاف سنت نہ ہو..... اعزہ سے اگر بطیب خاطر ممکن ہو تو فاتحہ میں ہفتہ میں دو تین بار ان اشیاء سے بھی کچھ بھیج دیا کریں۔ دودھ کا برف خانہ ساز اگرچہ بھینس کے دودھ کا ہو' مرغ کی بریانی' مرغ پلاؤ خواہ بکری کا شامی کباب' پراٹھے اور بالائی' فرنی' اردکی پھریری دال مع ادرک و لوازم' گوشت بھری کچوریاں' سیب کا پانی' انار کا پانی' سوڈے کی بوتل' دودھ کا برف' اگر روزانہ ایک چیز ہو سکے یوں کر دیا کرو جیسے مناسب جانو' مگر بطیب خاطر' میرے لکھنے پر مجبور نہ ہو۔" (حسنین رضا خاں' مولانا ؛ وصایا شریف' مطبوعہ لاہور' ص 11)

ایک وہ نام نہاد مصلح ہیں اور عالم دین ہیں جن کی نگاہیں دوسروں کی جیبوں پر ہوتی ہیں اور ایک اعلیٰ حضرت ہیں کہ عمر بھر غریبوں کی سرپرستی کرتے رہے اور آخری وقت بھی اپنے گھر سے اتنے لذیذ اور بیش قیمت کھانے غریبوں کو کھلاتے رہنے کی وصیت فرما رہے ہیں۔ یہ ہے غرباء و مساکین سے ہمدردی کا حقیقی جذبہ اور یہ ہے لن تنالو البر حتی تنفقو مما تحبون پر عمل کر کے دکھانا اور ساتھ ہی یہ تاکید فرمادی جاتی ہے کہ میرے کہنے پر مجبور نہ ہونا بلکہ غریبوں کا حق سمجھ کر انہیں کھلانا پلانا' ساتھ ہی انہیں حقیر سمجھ کر جھڑکنا نہیں بلکہ مہمانوں کی طرح خاطرداری اور اعزاز و اکرام کے ساتھ کھلانا چاہئے۔

جس کو غم جہاں میں بھی یاد رہے غم یکساں
میری طرف سے ہمنشیں' جاکر اسے سلام دے

اسلامی مساوات:

مسلمان سب بھائی بھائی ہیں' سب برابر ہیں۔ غریب اور امیر میں' گورے اور کالے میں' بادشاہ اور فقیر میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یہاں محمود اور

ایاز برابر ہیں۔ دنیاوی لحاظ سے سب یکساں ہیں' ہاں عزت و فضیلت کا معیار باری تعالیٰ شانہ' کی نظر میں ان اکرمکم عند اللہ اتقکم ہے۔ یعنی جو خدا سے بہت ہی ڈرنے والا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ عزت والا ہے۔ اس کے برعکس غربت و امارت یا افسری و ماتحتی کے لحاظ سے ذلت یا عزت کا معیار قائم کرنا سرا سر غلط اور لغو ہے۔ شعب و قبائل کا فرق صرف پہچان کے لئے ہے اور امیر و غریب' شاہ و گدا کا امتیاز تنظیم کاروبار جہاں کی خاطر حکمت الٰہیہ ہے۔ ایک مزدور اگر متقی ہے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک فاسق حکمران سے زیادہ عزت والا ہے۔ اسی طرح ایک نیکوکار غریب و مسکین آدمی اس مالدار سے بہتر ہے جو بدکار یا بے راہرو ہو۔ جو دولت' امارت' عہدہ یا علم کی بدولت خود کو دوسروں پر ترجیح دے اپنے آپ کو اوروں سے بالا سمجھے دوسروں کو اپنے سے گھٹیا جانے وہ اسلامی اخوت و مساوات سے ناآشنا اور متکبر ہے حالانکہ ارشاد باری تعالیٰ یوں ہے فلاتزکوا انفسکم بل اللہ یزکی من یشاء یعنی تم خود کو پاکباز مت ٹھہراؤ جبکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے پاکباز بناتا ہے۔ اس سلسلے میں اعلیٰ حضرت کا عمل یہ تھا:

> ایک صاحب ...... خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ اعلیٰ حضرت بھی کبھی کبھی انکے یہاں تشریف لے جایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضور ان کے یہاں تشریف فرما تھے کہ ان کے محلے کا ایک بیچارہ غریب مسلمان ٹوٹی ہوئی پرانی چارپائی پر' جو صحن کے کنارے پر پڑی تھی' جھجکتے ہوئے بیٹھا ہی تھا کہ صاحب خانہ نے نہایت کڑوے تیوروں سے اس کی طرف دیکھنا شروع کیا' یہاں تک کہ وہ ندامت سے سر جھکائے اٹھ کر چلا گیا۔ حضور کو صاحب خانہ کی اس مغرورانہ روش سے سخت تکلیف پہنچی مگر کچھ فرمایا نہیں۔ کچھ دنوں کے بعد وہ حضور کے یہاں آئے۔ حضور نے

اپنی چارپائی پر جگہ دی وہ بیٹھے ہی تھے کہ اتنے میں کریم بخش حجام' حضور کا خط بنانے کے لئے آئے۔ وہ اس فکر میں تھے کہ کہاں بیٹھوں۔ آپ نے فرمایا کہ بھائی کریم بخش! کھڑے کیوں ہو؟ مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں اور ان صاحب کے برابر بیٹھنے کا ارشاد فرمایا۔ وہ بیٹھ گئے۔ پھر تو ان صاحب کے غصہ کی یہ کیفیت تھی کہ جیسے سانپ پھنکاریں مارتا ہے اور فورا" اٹھ کر چلے گئے' پھر کبھی نہ آئے۔ خلاف معمول جب عرصہ گزر گیا تو اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ اب فلاں صاحب تشریف نہیں لاتے ہیں۔ پھر خود یہ فرمایا: میں بھی ایسے متکبر مغرور شخص سے ملنا نہیں چاہتا"۔ (ظفرالدین بہاری' مولانا: حیات اعلیٰ' 40)

1295ھ 1878ء میں جب آپ والدین کریمین کے ساتھ پہلی مرتبہ حج بیت اللہ اور زیارت روضہ مطہرہ کے شرف سے مشرف ہوئے تو واپسی میں بوقت طوفان اسی یقین کا عجیب منظر سامنے آیا' چنانچہ فرماتے ہیں:

"پہلی بار کی حاضری والدین ماجدین رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہما کے ہمراہ رکاب تھی۔ اس وقت مجھے تئیسواں سال تھا۔ واپسی میں تین دن طوفان شدید رہا تھا۔ اس کی تفصیل بہت طویل ہے۔ لوگوں نے کفن پہن لئے تھے۔ حضرت والدہ ماجدہ کا اضطراب دیکھ کر' ان کی تسکین کے لئے بے ساختہ میری زبان سے نکلا کہ آپ اطمینان رکھیں' خدا کی قسم یہ جہاز نہ ڈوبے گا۔ یہ قسم میں نے حدیث ہی کے اطمینان پر کھائی تھی' جس حدیث میں کشتی پر سوار ہوتے وقت غرق سے حفاظت کی دعا ارشاد ہوئی ہے' میں نے وہ دعا پڑھ لی تھی' لہٰذا حدیث کے وعدہ صادقہ پر مطمئن تھا۔ پھر قسم

کے نکل جانے سے خود مجھے اندیشہ ہوا اور معاً" حدیث یاد آئی من یتال علی اللہ یکذبہ حضرت عزت کی طرف رجوع کی اور سرکار رسالت سے مدد مانگی۔ الحمد اللہ کہ وہ مخالف ہوا کہ تین دن سے بشدت چل رہی تھی دو گھڑی میں بالکل موقوف ہوگئی اور جہاز نے نجات پائی"۔ (مصطفیٰ رضا خاں' مولانا :ملفوظات اعلیٰ حضرت' جلد دوم' ص3,2)

اسی سلسلے میں ایک سبق آموز واقعہ امام اہلسنّت کے معمولات سے اور ملاحظہ فرمایئے۔ یہ واقعہ علامہ ملک العلماء ظفرالدین بہاری علیہ الرحمہ کے سامنے پیش آیا' نوبت کہاں تک پہنچی اعلیٰ حضرت کے لفظوں میں ملاحظہ فرمایئے :۔

"اسی دن مسوڑھوں میں ورم ہوگیا اور اتنا بڑھا کہ حلق اور منہ بالکل بند ہوگیا۔ مشکل سے تھوڑا دودھ حلق سے اتارتا تھا اور اسی پر اکتفا کرتا' بات بالکل نہ کر سکتا تھا' یہاں تک کہ قرات سریہ بھی میسر نہ تھی۔ سنتوں میں بھی کسی کی اقتدار کرتا۔ اس وقت مذہب حنفی میں عدم جواز قرات خلف الامام کا یہ نفیس فائدہ مشاہدہ ہوا۔ جو کچھ کسی سے کہنا ہوتا' لکھ دیتا' بخار بہت شدید اور کان کے پیچھے گلٹیاں۔

میرے منجھلے بھائی (یعنی مولانا حسن رضا خاں) ایک طبیب کو لائے' ان دنوں بریلی میں مرض طاعون بشدت تھا۔ ان صاحب نے بغور دیکھ کر سات آٹھ مرتبہ کہا' یہ وہی ہے' وہی ہے۔ یعنی طاعون' میں بالکل کلام نہ کر سکتا تھا' اس لئے انہیں جواب نہ دے سکا' حالانکہ میں خوب جانتا تھا' یہ غلط کہہ رہے ہیں کہ مجھے طاعون ہے اور نہ انشاء اللہ العزیز کبھی ہوگا' اس لئے کہ میں نے طاعون زدہ کو دیکھ کر بارہا وہ دعا پڑھ لی ہے جسے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

جو شخص کسی بلا رسیدہ کو دیکھ کر یہ دعا پڑھے گا' اس بلا سے محفوظ رہے گا۔ وہ دعا یہ ہے: الحمد للہ الذی عافانی مما ابتلاک بہ و فضلنی و علی کثیر ممن خلق تفضیلا۔ جن جن امراض کے مریضوں' جن جن بلاؤں کے مبتلاؤں کو دیکھ کر میں نے اسے پڑھا' الحمد اللہ کہ آج تک ان سب سے محفوظ ہوں اور بعونہ تعالیٰ ہمیشہ محفوظ رہوں گا۔

البتہ ایک بار اسے پڑھنے کا مجھے افسوس ہے۔ مجھے نو عمری میں اکثر آشوب چشم ہو جایا کرتا تھا۔ بوجہ حدت مزاج بہت تکلیف دیتا تھا۔ 19 سال کی عمر ہوگئی اور رام پور جاتے ہوئے ایک شخص کو درد چشم میں مبتلا دیکھ کر یہ دعا پڑھی' جب سے اب تک آشوب چشم پھر نہیں ہوا۔ اسی زمانہ میں صرف دو مرتبہ ایسا ہوا کہ ایک آنکھ کچھ دبی معلوم ہوئی' دو چار دن بعد وہ صاف ہوگئی۔ دوسری دبی وہ بھی صاف ہوگئی مگر درد' کھٹک' سرخی کوئی تکلیف اصلاً کسی قسم کی نہیں۔ افسوس اس لئے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حدیث ہے: تین بیماریوں کو مکروہ نہ جانو۔ زکام کہ اس کی وجہ سے بہت سی بیماریوں کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ کھجلی (خارش) کہ اس سے امراض جلدیہ جزام وغیرہ کا انسداد ہوتا ہے۔ آشوب چشم نابینائی کو دفع کرتا ہے"۔ (ظفرالدین بہاری' مولانا :حیات اعلیٰ حضرت' ص 92,91)

اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشادات گرامی پر امام اہلسنت قدس سرہ کو کس درجہ یقین تھا' اس سلسلے میں بعض واقعات ملاحظہ فرمایئے' ایک ایمان افروز واقعہ پیش ہے۔

"جمادی الاولیٰ 1300ھ میں بعض مہم تصانیف کے سبب ایک مہینہ باریک خط کی کتابیں شبانہ روز علی الاتصال دیکھنا ہوا۔ گرمی کا موسم تھا' دن کو اندر کے والان میں کتاب دیکھتا اور لکھتا۔ اٹھائیسواں سال تھا' آنکھوں نے اندھیرے کا خیال نہ کیا۔ ایک روز شدت گرمی کے باعث دوپہر کو لکھتے لکھتے نہایا' سر پر پانی پڑتے ہی معلوم ہوا کہ کوئی چیز سر سے داہنی آنکھ میں اتر آئی۔ بائیں آنکھ بند کر کے داہنی سے دیکھا تو وسط شی مرئی میں ایک سیاہ حلقہ نظر آیا' اس کے نیچے شی کا جتنا حصہ ہوا وہ ناصاف اور دبا ہوا معلوم ہوتا۔

یہاں ایک ڈاکٹر اس زمانہ میں علاج چشم میں بہت سربر آور دہ تھا۔ میٹنڈرسن یا انڈرسن کچھ ایسا ہی نام تھا۔ میرے استاد جناب مرزا غلام قادر صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے اصرار فرمایا کہ اسے آنکھ دکھائی جائے' علاج کرنے نہ کرنے کا اختیار ہے۔ ڈاکٹر نے اندھیرے کمرے میں صرف آنکھ پر روشنی ڈال کر آلات سے بہت دیر تک بغور دیکھا اور کہا کہ کثرت کتاب بینی سے کچھ یبوست آگئی ہے' پندرہ دن کتاب نہ دیکھئے۔ مجھ سے پندرہ گھڑی بھی کتاب نہ چھوٹ سکی۔

حکیم سید مولوی اشفاق حسین صاحب مرحوم سہسوانی ڈپٹی کلکٹر طبابت بھی کرتے تھے اور فقیر کے مہربان تھے' فرمایا: مقدمہ نزول آب ہے۔ بیس برس بعد (خدا ناکردہ) پانی اتر آئے گا۔ میں نے التفات نہ کیا اور نزول آب والے کو دیکھ کر وہی دعا پڑھ لی اور اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد پر مطمئن ہو گیا۔

1316ھ میں ایک اور حاذق طبیب کے سامنے ذکر ہوا۔ کہا چار برس بعد (خدانخواستہ) پانی اتر آئے گا۔ ان کا حساب ڈپٹی صاحب کے حساب سے بالکل موافق آیا۔ انہوں نے بیس برس بعد کہے تھے' انہوں نے سولہ برس بعد چار برس کہے۔ مجھے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد پر وہ اعتماد نہ تھا کہ طبیبوں کے کہنے سے معاذ اللہ متزلزل ہوتا۔ الحمد اللہ بیس درکنار تیس برس سے زائد گزر چکے ہیں اور وہ حلقہ ذرہ بھر نہ بڑھا' نہ بعونہ تعالیٰ بڑھے گا۔ نہ میں نے کتب بینی میں کبھی کمی کی' نہ کمی کروں۔ میں نے اس لئے بیان کیا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دائم و باقی معجزات ہیں جو آج تک آنکھوں دیکھے جارہے ہیں اور قیامت تک اہل ایمان مشاہدہ کریں گے"۔ (ظفرالدین بہاری' مولانا :حیات اعلیٰ حضرت ص' 93,96)

مسلمان کرنا:

عام طور پر یہی کیا جاتا ہے کہ جب کوئی غیر مسلم پر اپنا ارادہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ اسلام کی حقانیت کا قائل ہو کر مسلمان ہونا چاہتا ہے تو اسے کسی عالم دین کے پاس لے جایا جاتا ہے' اس میں کوئی گھنٹے صرف ہو جاتے ہیں حالانکہ جو مسلمان بھی کسی غیر مسلم کے ایسے ارادے پر مطلع ہو اس پر فرض ہے کہ اسی وقت اسے کلمہ شہادت پڑھا دے اور اگر ہو سکے تو اتنا کہلوا دے کہ "اللہ ایک ہے اور عبادت کے لائق صرف اسی کی ذات ہے اور حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم' اللہ تعالیٰ کے سچے اور آخری رسول ہیں"۔ اس کے بعد کسی عالم دین کے پاس لے جاکر اعلان عام کے ساتھ مسلمان کروائے۔ امام اہلسنت کی زندگی کا ایک واقعہ ملاحظہ ہو:

"جناب سید ابو علی صاحب ہی کا بیان ہے کہ ایک روز ایک مسلمان کسی غیر مسلم کو اپنے ہمراہ لاتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ یہ مسلمان ہونا چاہتے ہیں۔ فرمایا کہ کلمہ پڑھوا دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ابھی نہیں۔ حضور نے بلاتا خیر و تساہل ...... غیر مسلم کو پڑھنے کا اشارہ کرتے ہوئے یہ الفاظ تلقین فرمائے لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ اللہ ایک ہے' اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کے سچے رسول ہیں' میں ان پر ایمان لایا۔ میرا دین مسلمان کا دین ہے۔ اس کے سوا جتنے معبود ہیں سب جھوٹے ہیں۔ اللہ کے سوا کسی کی پوجا نہیں ہے۔ جلانے والا ایک اللہ ہے۔ مارنے والا ایک اللہ ہے۔ پانی برسانے والا ایک اللہ ہے۔ روزی دینے والا ایک اللہ ہے۔ سچا دین ایک اسلام ہے اور جتنے دین ہیں سب جھوٹے ہیں۔

اس کے بعد مقراض (قینچی) سے سر کی چوٹی کاٹی اور کٹورے میں پانی منگوا کر تھوڑا سا خود پیا' باقی اسے دیا اور اس سے جو بچا وہ حاضرین مسلمانوں نے تھوڑا تھوڑا پیا۔ اسلامی نام عبداللہ رکھا گیا۔ بعدہ جو صاحب لے کر آئے تھے انہیں فہمائش کی کہ جس وقت کوئی اسلام میں آنے کو کہے' فوراً" کلمہ پڑھا دینا چاہئے کہ اگر کچھ بھی دیر کی تو گویا اتنی دیر اس کے کفر پر رہنے کی معاذ اللہ رضامندی ہے۔ آپ کو کلمہ پڑھوا دینا چاہئے تھا' اس کے بعد یہاں لاتے یا اور کہیں لے جاتے۔ ان صاحب نے یہ سن کر دست بستہ عرض کیا کہ حضور! مجھے یہ بات معلوم نہ تھی۔ میں توبہ کرتا ہوں۔ حضور نے فرمایا: اللہ معاف کرے' کلمہ پڑھ لیجئے۔ انہوں نے کلمہ

پڑھا اور سلام کر کے چلے گئے"۔ (ظفرالدین بہاری' مولانا : حیات اعلیٰ حضرت' ص 221,220)

اخلاق جلالی :

خود ساختہ تہذیب کے علمبردار اور صلح کلیت کے پجاریوں نے جس چیز کا نام تہذیب اور اخلاق حسنہ رکھا ہوا ہے کہ خدا اور رسول (جل جلالہ' وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے گستاخوں اور مسلمانوں کو ایک ہی نظر سے دیکھا جائے' سب کے ساتھ ایک جیسا برتاؤ کیا جائے کیونکہ سب مسلمان ہیں اور سارے بھائی بھائی ہیں۔ یہ ایسے حضرات کے نزدیک خواہ کتنا ہی قابل تعریف طرز عمل ہو لیکن اسلامی تہذیب ہرگز نہیں ہے۔ کیونکہ یہ طریق کار الحب فی اللہ و البغض فی اللہ کے خلاف ہے۔ آیئے امام احمد رضا خاں بریلوی کا اخلاق ملاحظہ ہو :

"آپ کی ذات الحب فی اللہ والبغض فی اللہ کی زندہ تصویر تھی۔ اللہ و رسول جل جلالہ' وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت رکھنے والے کو اپنا عزیز سمجھتے اور اللہ و رسول جل جلالہ' و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دشمن کو اپنا دشمن جانتے۔ اپنے مخالف سے کبھی کج خلقی سے پیش نہ آئے۔ خوش اخلاقی کا یہ عالم تھا کہ جس سے ایک بار کلام فرمایا اس کے دل کو گرویدہ بنا لیا۔ کبھی دشمن سے بھی سخت کلامی نہ فرمائی۔ ہمیشہ حلم سے کام لیا' لیکن دین کے دشمن سے کبھی نرمی نہ برتی۔ چنانچہ ایک دفعہ حضرت ننھے میاں مولانا محمد رضا نے عصر کے بعد آپ کی خدمت میں عرض کی کہ حیدر آباد دکن سے ایک رافضی صرف آپ کی زیارت کے لئے آیا ہے اور ابھی حاضر خدمت ہو گا۔ تالیف قلب کے لئے اس سے بات چیت کر لیجئے گا۔ دوران گفتگو ہی میں وہ

رافضی بھی آگیا۔ حاضرین مجلس کا بیان ہے کہ اعلیٰ حضرت اس کی طرف بالکل متوجہ نہ ہوئے یہاں تک کہ ننھے میاں صاحب نے اس کو کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا' وہ بیٹھ گیا۔ اعلیٰ حضرت کے گفتگو نہ فرمانے سے اس کو بھی کچھ بولنے کی جرات نہ ہوئی۔ تھوڑی دیر بیٹھ کر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد ننھے میاں نے اعلیٰ حضرت کو سناتے ہوئے کہا کہ اتنی دور سے وہ صرف ملاقات کے لئے آیا تھا' اخلاقاً" توجہ فرما لینے میں کیا حرج تھا؟

حضرت اعلیٰ حضرت نے جلال کی حالت میں ارشاد فرمایا کہ میرے اکابر پیشواؤں نے مجھے یہی اخلاق بتایا ہے۔ پھر آپ نے بیان فرمایا کہ امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد نبوی شریف سے تشریف لا رہے ہیں۔ راہ میں ایک مسافر ملتا ہے اور سوال کرتا ہے کہ میں بھوکا ہوں۔ آپ ساتھ چلنے کا اشارہ فرماتے ہیں۔ وہ پیچھے پیچھے کاشانہ اقدس تک پہنچتا ہے۔ امیر المومنین خادم کو کھانا لانے کے لئے حکم دیتے ہیں۔ خادم کھانا لاتا ہے اور دسترخوان بچھا کر سامنے رکھتا ہے۔ کھانا کھانے میں وہ مسافر بدمذہبی کے کچھ الفاظ زبان سے نکالتا ہے۔ امیر المومنین خادم کو حکم فرماتے ہیں کہ کھانا اس کے سامنے سے فوراً" اٹھاؤ اور اس کا کان پکڑ کر باہر کر دو۔ خادم اسی دم حکم بجالاتا ہے۔ خود حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسجد نبوی شریف سے نام لے لے کر منافقین کو نکلوا دیا اخرج یا فلان فانک منافق۔ اے فلاں مسجد سے نکل جا' اس لئے کہ تو منافق ہے"۔

(بدرالدین احمد' مولانا ؛ سوانح اعلیٰ حضرت ص 94,93)

سونے کا انداز :

شراب محبت سے مخمور رہنے والوں کے طور طریقے دوسرے سے کچھ نرالے ہی ہوتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت کے سونے کا طریقہ علامہ بدرالدین احمد صاحب نے یوں رقم فرمایا ہے :

- "آپ کے خادم کا بیان ہے کہ اعلیٰ حضرت 24 گھنٹے میں صرف ڈیڑھ دو گھنٹے آرام فرماتے اور باقی تمام وقت تصنیف و کتب بینی اور دیگر خدمات دینیہ میں صرف فرماتے اور ہمیشہ بشکل نام اقدس محمد صلی اللہ علیہ وسلم سویا کرتے۔ اس طرح کہ دونوں ہاتھ ملا کر سر کے نیچے رکھتے اور پاؤں سمیٹ لیتے جس سے سر میم' کہنیاں ح' کمر میم' پاؤں دال بن کر گویا نام پاک محمد کا نقشہ بن جاتا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم۔"

علامہ محمد برنسیم بستوی نے اس سلسلے میں یوں وضاحت فرمائی ہے :

"جب آپ آرام فرماتے تو داہنی کروٹ' اس طرح پر کہ دونوں ہاتھ ملا کر سر کے نیچے رکھ لیتے اور پائے مبارک سمیٹ لیتے کبھی کبھی خدام ہاتھ پاؤں دابنے بیٹھ جاتے اور عرض کرتے :حضرت! دن بھر کام کرتے کرتے تھک گئے ہوں گے' ذرا پائے مبارک دراز فرمالیں تو ہم درد نکال دیں۔ اس کے جواب میں فرماتے کہ پاؤں تو قبر کے اندر پھیلیں گے۔ ایک عرصہ تک آپ کے اس ہیئت پر آرام فرمانے کا مقصد معلوم نہیں ہوا اور نہ آپ سے پوچھنے کی کوئی ہمت ہی کر سکا"۔ (محمد صابر نسیم بستوی' مولانا : مجدد اسلام' ص (87,86

آخر کار امام اہلسنت قدس سرہ کے اس طرح سونے کا راز اعلیٰ حضرت کے خلف اکبر' حجتہ الاسلام مولانا حامد رضا خاں رحمتہ اللہ علیہ نے ظاہر فرمایا کہ سوتے وقت یہ فنانی الرسول اپنے جسم کو اس طرح ترکیب دے کر سوتے ہیں کہ لفظ محمد بن جاتا ہے۔ اگر اسی حالت میں پیغام اجل آجائے تو زہے نصیب ورنہ دوسرا فائدہ تو حاصل' وھو ھذا:

"اس طرح سونے سے فائدہ یہ ہے کہ ستر ہزار فرشتے رات بھر اس نام مبارک کے گرد درود شریف پڑھتے ہیں اور وہ اس طرح سونے والے کے نامہ اعمال میں لکھا جاتا ہے"۔ (ایضا: ص 87)

سوتے وقت جب آپ دونوں ہاتھوں کو ملا کر سر کے نیچے رکھتے تو انگلیوں کا اندر عجیب ہوتا۔ انگوٹھے کو انگشت شہادت کے وسط پر رکھتے اور باقی انگلیاں اپنی اصلی حالت میں رہتیں۔ اس طرح انگلیوں سے لفظ اللہ بن جاتا۔ گویا سوتے وقت دونوں ہاتھوں کی انگلیوں سے اللہ اور جسم سے محمد لکھ کر سوتے حجتہ الاسلام مولانا حامد رضا خاں علیہ الرحمہ نے آپ کی ان والہانہ اداؤں کے پیش نظر ہی تو کہا تھا کہ:

نام خدا ہے ہاتھ میں' نام نبی ہے ذات میں
مہر غلامی ہے پڑی' لکھے ہوئے ہیں نام دو

چاندی کی کرسی:

ریاست رام پور میں اس قسم کا واقعہ پیش آیا تھا' جو اس طرح منقول ہے:

"چنانچہ نواب صاحب نے اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا اور حضور اپنے خسر جناب شیخ تفضل حسین کے ہمراہ رام پور تشریف لے گئے۔ جس وقت آپ نواب کے یہاں پہنچے اور نواب صاحب نے آپ کی زیارت کی تو بہت

متعجب ہوئے لیکن آپ کے علمی جاہ و جلال کے قائل ہو چکے تھے' اس لئے آپ کے انتہائی اعزاز و اکرام میں چاندی کی کرسی پیش کی۔ آپ نے فوراً" ارشاد فرمایا کہ مرد کے لئے چاندی کا استعمال حرام ہے۔ اس جواب سے نواب صاحب کچھ خفیف ہوئے اور آپ کو اپنے پلنگ پر جگہ دی اور آپ سے غایت لطف و محبت سے باتیں کرنے لگے"۔ (محمد صابر نسیم بستوی' مولانا :مجدد اسلام' ص35)

نواب صاحب کس طرح اعلیٰ حضرت کے علمی جاہ و جلال کے قائل ہوئے اور کیوں آپ کی زیارت کا شوق پیدا ہوا؟ اس کا سبب ایک فتویٰ ہے۔ اس فتوے کا واقعہ اس طرح منقول ہے:

"حضرت مولانا نقی علی خاں صاحب کا نام سن کر ایک صاحب رام پور سے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مولانا ارشاد حسین صاحب مجدد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فتویٰ پیش کیا' جس پر بہت سے علمائے کرام کی مہریں اور دستخط تھے۔ حضرت نے فرمایا کہ کمرے میں مولوی صاحب ہیں' ان کو دے دیجئے جواب لکھ دیں گے وہ صاحب کمرے میں گئے اور واپس آکر عرض کیا کہ کمرے میں مولوی صاحب نہیں ہیں۔ فقط ایک صاجزادے ہیں۔ حضرت نے فرمایا: انہیں کو دے دیجئے' وہ لکھ دیں گے۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضرت! میں تو آپ کا شہرہ سن کر آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ آجکل وہی فتویٰ لکھا کرتے ہیں' انہیں کو دے دیجئے۔ بالاخر ان صاحب نے اعلیٰ حضرت کو فتوی دے دیا۔

حضور نے جو اس فتویٰ کو ملاحظہ فرمایا تو جواب درست نہ تھا۔ آپ نے اس جواب کے خلاف جو بات حق تھی لکھ کر

والد ماجد صاحب قبلہ کی خدمت میں پیش کیا۔ انہوں نے اس کی تصدیق فرما دی۔ وہ صاحب اس فتویٰ کو لے کر رامپور پہنچے اور نواب رامپور نے اسے از اول تا آخر دیکھا' تو مجیب اول مولانا ارشاد حسین صاحب کو بلایا۔ آپ تشریف لائے تو وہ فتویٰ آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ مولانا نے حق گوئی و صدق پسندی کا ثبوت دیتے ہوئے صاف صاف ارشاد فرمایا کہ حقیقت میں وہی جواب صحیح ہے جو بریلی شریف سے آیا ہے۔ نواب صاحب نے کہا: پھر اتنے علمائے آپ کے جواب کی تصدیق کس طرح کر دی؟ مولانا نے فرمایا کہ تصدیق کرنے والے حضرات نے مجھ پر میری شہرت کی وجہ سے اعتماد کیا ورنہ حق وہی ہے جو انہوں نے لکھا ہے۔ اس واقعہ سے پھر یہ معلوم کر کے کہ اعلیٰ حضرت کی عمر انیس بیس سال کی ہے' نواب صاحب متحیر رہ گئے اور ان کو آپ کی ملاقات کا شوق پیدا ہوا"۔ (محمد صابر نسیم بستوی' مولانا: مجدد اسلام' ص 35,34)

یہ واقعہ حیات اعلیٰ حضرت کے صفحہ 133 پر بھی مفتی اعجاز ولی خاں صاحب مرحوم سے منقول ہے۔ لیکن معلوم نہیں مفتی صاحب نے کس مصلحت کے تحت اس وقت امام احمد رضا خاں قدس سرہ کی عمر کا چودھواں سال بتایا حالانکہ اس وقت آپ کی عمر کم از کم انیس بیس سال تھی جیسا کہ علامہ ظفرالدین بہادری علیہ الرحمہ نے صفحہ 135,134 پر تصریح فرمائی ہے۔ یہ واقعہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی شادی کے بعد پیش آیا کیونکہ اعلیٰ حضرت کو ان کے خسر صاحب کے ذریعے بلوایا گیا تھا اور شادی آپ کی 1291ھ 1885ء میں ہوئی اور اس وقت آپ کی عمر انیس سال تھی۔ چاندی کی کرسی پیش کرنے کا مفتی اعجاز ولی خاں صاحب نے بھی اپنے بیان میں ذکر کیا ہے۔

داہنا ہاتھ :

اکثر حضرات داہنے اور بائیں ہاتھ کے کاموں کا فرق ملحوظ نہیں رکھتے۔ امام اہلسنت نے اس بارے میں عملی طور پر مسلمانوں کو ان کا دائرہ کار بتایا' چنانچہ اس سلسلے میں منقول ہے :

"ناک صاف کرنے اور استنجا فرمانے کے سوا آپ کے ہر کام کی ابتدا سیدھے ہی جانب سے ہوتی تھی۔ چنانچہ عمامہ مبارک کا شملہ سیدھے شانہ پر رہتا' اس کے پیچ سیدھی (دائیں) جانب ہوتے اور اس کی بندش اسی طور پر ہوتی کہ بائیں دست مبارک میں بندش اور داہنا دست مبارک پیشانی پر ہر پیچ کی گرفت کرتا تھا۔" (محمد صابر نسیم بستوی' مولانا : مجدد اسلام' ص 89)

اس سلسلے میں علامہ بدر الدین احمد صاحب نے اعلیٰ حضرت کے طرز عمل کی یوں وضاحت فرمائی ہے :

"اگر کسی کو کوئی چیز دیتے اور وہ بایاں ہاتھ بڑھاتا تو فوراً" دست مبارک روک لیتے اور فرماتے کہ داہنے ہاتھ میں لو' بائیں ہاتھ میں شیطان لیتا ہے بسم اللہ شریف کا عدد 786 لکھنے کا عام دستور یہ ہے کہ پہلے 7 لکھتے ہیں پھر 8 اس کے بعد 6 لکھتے ہیں لیکن آپ پہلے 6 تب 7 تحریر فرماتے یعنی اعداد کو بھی داہنی جانب سے لکھتے"۔ (بدر الدین احمد' مولانا : سوانح اعلیٰ حضرت' ص 92)

بعض مبارک عادتیں :

کہنا تو بہت آسان ہے لیکن چھوٹی چھوٹی باتوں کا خیال رکھنا اور مستحسن عادات و اطوار کا خوگر بننا خدا کے برگزیدہ بندوں ہی سے مخصوص ہے۔ اعلیٰ حضرت کی بعض عادتیں ملاحظہ ہوں :

"مشغل ناکام اقدس (محمد) صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم استراحت فرمانا' قطعانہ کھانا' جمائی آنے پر انگلی دانتوں میں دبالینا اور کوئی آواز نہ ہونا' کلی کرتے وقت دست چپ ریش مبارک پر رکھ کر' خمیدہ سر ہو کر پانی منہ سے گرانا' قبلہ کی طرف رخ کر کے کبھی نہ تھوکنا' نہ قبل کی طرف پائے مبارک دراز کرنا' نماز پنجگانہ مسجد میں باجماعت ادا کرنا' فرض نماز باعمامہ پڑھنا' بغیر صوف پڑی دوات سے نفرت کرنا' یونہی لوہے کے قلم سے اجتناب کرنا' خط بنواتے وقت اپنا کنگھا شیشہ استعمال فرمانا' سوال کرنا' سر مبارک میں چپلیل ڈلوانا"۔ (ظفرالدین بہاری' مولانا حیات اعلیٰ حضرت' ص 28)

مشاغل :۔

آج تو علمائے کرام کی زندگیوں میں بھی رنگینی پیدا ہو گئی۔ بعض تو ایسے بھی ہیں جنہیں درس و تدریس اور خطابت کے بعد تقریر فروشی سے اتنی فرصت ہی نہیں ملتی کہ ساری زندگی میں ایک دو کتابیں لکھ جائیں۔ امام اہلسنت کے مشاغل ملاحظہ ہوں' کیا آپ کے ہاں تقریر یا فتویٰ یا تعویذ فروشی چلکی بھی تھی؟ دن رات ان کا مشغلہ تصنیف و تالیف' فتویٰ نویسی اور خدمت دین تھا اور یہ سب کچھ لوجہ اللہ تھا۔ علامہ بدرالدین احمد نے امام احمد رضا خاں بریلوی کے مشاغل کا تذکرہ یوں کیا ہے:

"تصنیف و تالیف' کتب بینی' فتویٰ نویسی اور اور اورا اشغال کے خیال سے خلوت میں تشریف رکھتے پانچوں نمازوں کے وقت مسجد میں حاضری ہوتے اور ہمیشہ نماز باجماعت ادا فرمایا کرتے اور باوجود کہ بے حد حار مزاج

تھے مگر کیسی گرمی کیوں نہ ہو ہمیشہ عمامہ اور انگرکھے کے ساتھ نماز پڑھا کرتے تھے' خصوصاً" فرض تو کبھی صرف ٹوپی اور کرتے کے ساتھ ادا نہ کیا۔" (بدرالدین احمد' مولانا : سوانح اعلیٰ حضرت' ص 92,91)

غذا :

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت ایک طرف تو ہمہ وقت تصنیف و تالیف اور فتویٰ نویسی و کتب بینی میں مشغول رہتے اور دوسری طرف ضعیف الجثہ تھے' یہی وجہ ہے کہ صاحب حیثیت اور رئیس ہونے کے باوجود آپ کی خوراک محض اتنی تھی جو صرف زندہ رہنے کے لئے بمشکل کافی ہو سکے۔ مثلاً :

"آپ کی غذا نہایت ہی قلیل تھی۔ ایک پیالی بکری کے گوشت کا شوربا بغیر مرچ کے اور ایک یا ڈیڑھ بسکٹ اور وہ بھی روز روز نہیں' بلکہ بسا اوقات اس میں بھی ناغہ ہو جاتا تھا"۔ (محمد صابر نسیم بستوی' مولانا : مجدد اسلام' ص 96)

علاوہ ظفرالدین بہاری رحمتہ اللہ علیہ نے آپ کی عام غذا کے بارے میں یوں وضاحت فرمائی ہے :

"اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کی عام غذا روٹی' چکی کے پسے ہوئے آٹے کی اور بکری کا قورمہ تھا"۔ (ظفرالدین بہاری' مولانا : حیات اعلیٰ حضرت' ص 90)

ملفوظات شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ خوراک ایک چپاتی تھی' اسی طرح ایک دو بسکٹ اور ایک پیالی شوربا برائے نام خوراک ہی تو ہے' اس پر بھی ناغوں کا طرہ' رمضان المبارک کے مقدس مہینے کی غذا ملاحظہ ہو :

"مولوی محمد حسین صاحب میرٹھی موجد طلسمی پریس کا بیان ہے کہ ------ اعلیٰ حضرت بعد افطار پان نوش

فرماتے ' شام کو کھانا کھاتے میں نے کسی دن نہیں دیکھا۔ سحر کو صرف ایک چھوٹے سے پیالے میں فرنی اور ایک پیالی میں چٹنی آیا کرتی تھی' وہ نوش فرمایا کرتے' ایک دن میں نے دریافت کیا کہ حضور! فرنی اور چٹنی کا کیا جوڑ؟ فرمایا' نمک سے کھانا شروع کرنا اور نمک ہی پر ختم کرنا سنت ہے' اس لئے یہ چٹنی آتی ہے"۔ ظفرالدین بہاری' مولانا :حیات اعلیٰ حضرت' ص41)

علامہ بدر الدین احمد لکھتے ہیں:

"آج دنیا میں مشرکین و کفار' مرتدین اشرار' گمراہان فجار کا کوئی بھی ایسا فرقہ نہیں ہے جس کے رد میں اعلیٰ حضرت کی متعدد تصنیفات نہ ہوں۔۔۔۔ بدمذہبوں کی جس قدر فتنہ گر پارٹیاں ہیں ان سب کے خود ساختہ اصول اور باطل اعتقادات کو انہیں کے مسلمات انہیں کے گھڑے ہوئے قواعد سے' اس طرح توڑ پھوڑ کر ان کے دھوئیں اڑا دیئے ہیں کہ تلاش و جستجو کے بعد ان کا کوئی ایک ذرہ سلامت نہیں ملتا۔" (ایضاً : ص114,113)

محبوب پروردگار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں جن لوگوں نے عالمان دین کا لبادہ اوڑھ کر ایسے ایسے گزرے اور نازیبا الفاظ استعمال کیے جن کی کبھی کھلے کافروں' غیر مسلمانوں کو بھی جرات نہیں ہوئی تھی تو اس علمبردار شان مصطفوی نے ازراہ خیرخواہی مسلمانوں کو یوں سمجھایا اور ان لفظوں میں ان علماء کے شر سے بچنے کی تلقین کی:

"اللہ انصاف' اگر کوئی تمہارے ماں باپ استاد پیر کو گالیاں دے اور نہ صرف زبانی بلکہ لکھ لکھ کر چھاپے' شائع کرے' کیا تم اس کا ساتھ دو گے؟ یا اس کی بات بنانے کو

تاویلیں گھڑو گے؟ اس کے بکنے سے بے پرواہی کر کے اس سے بدستور صاف رہو گے؟ نہیں نہیں' اگر تم میں ایمانی غیرت' انسانی حمیت' ماں باپ کی عزت حرمت عظمت محبت کا نام نشان بھی لگا رہ گیا ہے تو اس بدگو' دشنامی کی صورت سے نفرت کرو گے' اس کے سایہ سے دور بھاگو گے' اس کا نام سن کر غیظ لاؤ گے' جو اس کے لئے بناوٹیں گھڑے اس کے بھی دشمن ہو جاؤ گے۔

پھر خدا کے لئے ماں باپ کو ایک پلے میں رکھو اور اللہ واحد قہار و محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عزت و عظمت کو دوسرے پلے میں' اگر مسلمان ہو' تو ماں باپ کی عزت کو اللہ و رسول کی عزت سے نسبت نہ مانو گے۔ ماں باپ کی محبت و حمایت کو اللہ و رسول کی محبت و خدمت کے آگے ناچیز جانو گے۔ تو واجب واجب واجب' لاکھ لاکھ واجب سے بڑھ کر واجب کہ ان کے بدگو سے وہ نفرت و دوری و غیظ و جدائی ہو کر ماں باپ کے دشنام دہندہ کے ساتھ اس کا ہزارواں حصہ نہ ہو"۔ (احمد رضا خاں' امام تمہید ایمان بآیات قرآ' ص 17)

اس خیر خواہ اسلام و مسلمین نے بھولے بھالے مسلمانوں کو ان لوگوں کے شر سے بچنے' ان علماء سے دور و نفور رہنے کی ان لفظوں میں تلقین فرمائی جو اللہ اور رسول کی جناب میں گستاخی تھے:

"[illegible] و حدیث ارشاد فرما چکے کہ ایمان کے حقیقی و واقعی ہونے کو دو باتیں ضرور ہیں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کو تمام جہان پر تقدیم' تو اس کی آزمائش کا یہ

صریح طریقہ ہے کہ تم کو جن لوگوں سے کیسی ہی تعظیم' کتنی ہی عقیدت' کتنی ہی دوستی' کیسی ہی محبت کا علاقہ ہو۔ جیسے تمہارے باپ' تمہارے استاد' تمہارے پیر' تمہاری اولاد' تمہارے احباب' تمہارے بڑے' تمہارے اصحاب' تمہارے مولوی' تمہارے حافظ' تمہارے مفتی' تمہارے واعظ وغیرہ وغیرہ کے باشد' جب وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کرے اصلا تمہارے قلب میں ان کی عظمت' ان کی محبت کا نام و نشان نہ رہے۔ فوراً ان سے الگ ہو جاؤ' دودھ سے مکھی کی طرح نکال کر پھینک دو' ان کی صورت ان کے نام سے نفرت کھاؤ' پھر نہ تم اپنے رشتے علاقے' دوستی الفت کا پاس کرو' نہ ان کی مولویت مشیخت بزرگی فضیلت کو خطرے میں لاؤ کہ آخر یہ جو کچھ تھا' محمد رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کی غلامی کی بنا پر تھا' جب یہ شخص انہیں کی شان میں گستاخ ہوا' پھر ہمیں اس سے کیا علاقہ رہا؟

اس کے جبے عمامے پر کیا جائیں؟ کیا بتیرے یہودی جبے نہیں پہنتے' عمامے نہیں باندھتے؟ اس کے نام کے علم و ظاہری فضل کو لے کر کیا کریں؟ کیا بتیرے پادری' بکثرت فلسفی بڑے بڑے علوم و فنون نہیں جانتے؟ اور اگر یہ نہیں بلکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقابل تم نے اس کی بات بنانی چاہی' اس نے حضور سے گستاخی کی اور تم نے اس سے دوستی نباہی' یا اسے ہر برے سے بدتر برا نہ جانا یا اسے برا کہنے پر برا مانا یا اسی قدر کہ تم نے اس امر میں بے پروائی منائی یا تمہارے دل میں اس کی طرف سے سخت نفرت

نہ آئی، تو اللہ، اب تمہیں انصاف کر لو کہ تم ایمان کے امتحان میں کہاں پاس ہوئے؟ قرآن وحدیث نے جس پر حصول ایمان کا مدار رکھا تھا اس سے کتنی دور نکل گئے؟ مسلمانو! کیا جس کے دل میں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم ہوگی وہ ان کے بدگو کی وقعت کر سکے گا؟ اگرچہ اس کا پیر یا استاد ہی کیوں نہ ہو۔ کیا جسے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام جہان سے زیادہ پیارے ہوں گے وہ ان کے گستاخ سے فوراً" سخت شدید نفرت نہ کرے گا۔ اگرچہ اس کا دوست یا برادر یا پسر ہی کیوں نہ ہو"۔ (احمد رضا خاں، تمہید بایات قرآن، ص 6,5)

قرآنی آیات پیش کر کے خدا اور رسول (جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی عظمت کا تصور دلا کر، ایمان کے تقاضے سمجھا کر گستاخوں کے بارے میں مسلمانوں کو مزید یوں فہمائش کی جاتی ہے:

"اس آیت کریم میں صاف فرمادیا کہ جو اللہ یا رسول کی جناب سے گستاخی کرے، مسلمان اس سے دوستی نہ کرے گا، جس کا صریح مفاد ہوا کہ جو اس سے دوستی کرے وہ مسلمان نہ ہوگا۔ پھر اس حکم کا قطعاً" عام ہونا بالتصریح ارشاد فرمایا کہ باپ بیٹے بھائی عزیز سب کو گنایا یعنی کوئی کیسا ہی تمہارے زعم میں معظم یا کیسا ہی تمہیں بالطبع محبوب ہو، ایمان ہے تو گستاخی کے بعد اس سے محبت نہیں رکھ سکتے، اس کی وقعت نہیں مان سکتے، ورنہ مسلمان نہ رہو گے۔" (ایضاً" : ص 6)

امام اہلسنت مجدد دین وملت کی آخری محفل ہے۔ سفر آخرت کی تیاری ہو رہی ہے۔ عقیدت مند ملک کے کونے کونے سے عیادت کے لئے پہنچ رہے ہیں

اس موقع پر بھی مسلمانوں کو ذیاب فی ثیاب کا بہروپ بھرنے والوں' رہبروں کے روپ میں مسلمانوں کو گمراہ کرنے والوں سے یوں آخری بار خبردار کیا جاتا ہے۔

"اے لوگو! تم پیارے مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بھولی بھیڑیں ہو اور بھیڑیئے تمہارے چاروں طرف ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ تمہیں بہکائیں' تمہیں فتنہ میں ڈال دیں' تمہیں اپنے ساتھ جہنم میں لے جائیں۔ ان سے بچو اور دور بھاگو' دیوبندی' رافضی' نیچری' قادیانی' چکڑالوی یہ سب فرقے بھیڑیئے ہیں' تمہارے ایمان کی تاک میں ہیں' ان کے حملوں سے ایمان کو بچاؤ۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رب العزت جل جلالہ کے نور ہیں' حضور سے صحابہ کرام روشن ہوئے' صحابہ کرام سے تابعین عظام روشن ہوئے' تابعین سے تبع تابعین روشن ہوئے' ان سے آئمہ مجتہدین روشن ہوئے' ان سے ہم روشن ہوتے' اب ہم تم سے کہتے ہیں' یہ نور ہم سے لے لو۔ ہمیں اس کی ضرورت ہے کہ تم ہم سے روشن ہو۔ وہ نور یہ ہے کہ اللہ و رسول کی سچی محبت' ان کی تعظیم اور ان کے دوستوں کی خدمت اور ان کی تکریم اور ان کے دشمنوں سے سچی عداوت' جس سے اللہ و رسول کی شان میں ادنیٰ توہین پاؤ' پھر وہ تمہارا کیسا ہی پیارا کیوں نہ ہو' فوراً" اس سے جدا ہو جاء' جس کو بارگاہ رسالت میں ذرا بھی گستاخ دیکھ' پھر وہ تمہارا کیسا ہی بزرگ معظم کیوں نہ ہو اپنے اندر سے اسے دودھ سے مکھی کی طرح نکال کر پھینک دو۔

میں پونے چودہ برس کی عمر سے یہی بتاتا رہا اور اس وقت پھر یہی عرض کرتا ہوں' اللہ تعالیٰ ضرور اپنے دین کی

حمایت کے لئے کسی بندے کو کھڑا کر دے گا مگر نہیں معلوم میرے بعد جو آئے کیسا ہو اور تمہیں کیا بتائے؟ اس لئے ان باتوں کو خوب سن لو' حجتہ اللہ قائم ہو چکی۔ اب میں قبر سے اٹھ کر تمہارے پاس بتانے نہ آؤں گا۔ جس نے اسے سنا اور مانا' قیامت کے دن اس کے لئے نور و نجات ہے اور جس نے نہ مانا' اس کے لئے ظلمت و ہلاکت ہے"۔ (حسنین رضا خاں' مولانا ' وصایا شریف' مطبوعہ لاہور)

* @ * @ *

سرتاج الاولیاء

غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی ﷫

470ھ ----- 561ھ

سرتاج الاولیاء حضور غوث اعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی ﷫ اقلیم ولایت کے تاجدار ہیں۔ خانوادہ سادات کے چشم و چراغ ہیں۔ آپ کی ولادت "گیلان" میں ہوئی۔ چار سال کی عمر میں آپ کے والد بزرگوار وصال فرما گئے۔ پھر آپ نے اپنے نانا سید عبداللہ صومعی علیہ الرحمتہ کے سایہ عاطفت میں پرورش پائی۔ گھر پر علوم دینیہ کی تحصیل کے بعد اٹھارہ سال کی عمر میں آپ بغداد شریف تشریف لائے اور اس وقت کے جلیل القدر اساتذہ سے سماع حدیث فرماکر علوم کی تکمیل فرمائی۔ آپ کو بیعت و خلافت کا شرف حضرت شیخ ابو سعید مخزومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حاصل تھا آپ کے فضائل کا احاطہ طاقت بشری سے بالاتر ہے۔ آپ کے اخلاق حسنہ اور فضائل حمیدہ کی تعریف میں اولیاء اللہ کے تذکرے بھرے پڑے ہیں۔

سیرت و کردار کے لحاظ سے اپنی مثال آپ تھے۔ اپنے تو اپنے غیر مسلم

بھی آپ کے حسن سلوک کے گرویدہ تھے۔ آپ مجسمہ ایثار و سخاوت اور اعلیٰ اوصاف کے پیکر تھے۔ سلسلہ قادریہ آپ کے نام سے منسوب ہے آپ سے لاتعداد کرامتیں ظاہر ہوئیں اور ہو رہی ہیں۔ مجاہدات و ریاضات اور مواعظ حسنہ کے علاوہ آپ نے تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری رکھا متعدد تالیفات آپ کی یادگار ہیں۔ آپ کا مزار بغداد شریف (عراق) میں حاجت روائے خلق ہے۔

خلیفہ حضور مفتی اعظم ہند قاری محمد امانت رسول قادری تحریر فرماتے ہیں:

"مجمع السلاسل عارف باللہ حضرت مولانا شاہ خواجہ احمد حسین صاحب نقشبندی مجددی امروہوی کو سرکار غوثیت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اشارہ ہوا کہ مولانا احمد رضا خاں سے ملاقات کیجئے لہذا حضرت خواجہ احمد حسین صاحب 24 رمضان ذیشان 1331ھ میں اعلیٰ حضرت عظیم البرکت فاضل بریلوی قدس سرہ القوی کی ملاقات کے لئے پہنچے مغرب کا وقت تھا جماعت قائم ہو چکی تھی۔ نماز مغرب کی پہلی رکعت تھی اعلیٰ حضرت امامت فرما رہے تھے شاہ صاحب بھی جماعت میں شامل ہو گئے۔ نماز مغرب کے قعدہ اخیرہ میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کو حضور پر نور سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے القا فرمایا کہ خواجہ احمد حسین حاضر ہیں ان کو اجازت نامہ عطا کر دیجئے۔ اعلیٰ حضرت نے سلام پھیرتے ہی اپنے سر کا عمامہ اتار کر خواجہ احمد حسین شاہ صاحب کے سر پر رکھ دیا اور احادیث و اعمال و اشغال اور سلاسل کی اجازت نامہ عطا فرمائی نیز فی البدیہہ تاج الفیوض (1331) کا لقب بھی عطا فرمایا جس سے 1331ھ برآمد ہوتا ہے۔ خواجہ احمد

حسین صاحب نے عرض کیا کہ حضور ابھی تو آپ سے گفتگو کا شرف بھی حاصل نہیں ہوا اور اس فقیر پر آپ کی یہ عنائتیں۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا ابھی نماز کے قعدہ اخیرہ میں میرے سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے میرے قلب پر القا ہوا کہ خواجہ احمد حسین حاضر ہیں ان کو اجازت نامہ دیجئے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

مرشد اعلیٰ حضرت

خاتم الاکابر سید آل رسول مارہروی رحمۃ اللہ علیہ

1209ھ -------- 1296ھ

خاتم الاکابر سید آل رسول مارہروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سادات مارہرہ کے گل سرسبد ہیں۔ تعلیم و تربیت والد ماجد سید شاہ آل برکات ستھرے میاں علیہ الرحمۃ کی آغوش میں ہوئی۔ حضرت عین الحق شاہ عبدالمجید بدایونی مولانا شاہ سلامت اللہ کشفی بدایونی شاہ نور الحق رزاق رحمۃ اللہ علیہم اجمعین سے بھی کتب معقولات علم کلام فقہ و اصول کی تحصیل تکمیل فرمائی آپ کو کئی بزرگوں سے کئی سلاسل میں اجازت و خلافت حاصل ہونے کے علاوہ حضور سیدی اچھے میاں علیہ الرحمۃ سے بھی اجازت حاصل تھی اور مرید بھی حضرت اچھے میاں علیہ الرحمۃ کے سلسلے میں فرماتے تھے۔

آپ سلسلہ عالیہ قادریہ کے 37 ویں امام و شیخ طریقت ہیں۔ آپ چودھویں صدی کے اکابر اولیاء اللہ میں سے ایک ہیں۔ آپ کی مساعی و کوشش سے اسلام و مذہب اہل سنت کو استحکام حاصل ہوا۔ بڑے نڈر بے باک شفیق اور مہربان تھے۔ غ[illegible] کی [illegible]تے علوم ظاہرہ و باطن میں

ماہر اور مکاشفہ میں عجب شان رکھتے تھے آپ کی شان بڑی ارفع و اعلیٰ ہے۔ اسلاف کی زندہ تابندہ یادگار تھے آپ کے خلفائے کرام اپنے وقت کی نابغہ روزگار ہستیاں ہیں سب آفتاب و ماہتاب ہیں۔ آپ کا مزار پر انور مارہرہ شریف بھی مرجع خلائق ہے۔

خلیفہ حضور مفتی اعظم ہند قاری محمد امانت رسول قادری خامہ فرسا ہیں۔

1294ھ جمادی الاخریٰ کا واقعہ ہے کہ ایک روز اعلیٰ حضرت قبلہ روتے روتے سو گئے خواب میں دیکھا کہ آپ کے جد امجد حضرت مولانا شاہ رضا علی خان صاحب علیہ الرحمتہ تشریف لائے ایک صندوقچی عطا فرمائی اور فرمایا عنقریب وہ شخص آنے والا ہے جو تمہارے درد دل کی دوا کرے گا۔ دوسرے روز تاج الفحول محب رسول حضرت مولانا خواجہ شاہ عبدالقادر صاحب عثمانی بدایونی قدس سرہ الربانی تشریف لائے اور اپنے ساتھ مارہرہ مقدسہ تشریف لے گئے۔ مارہرہ مقدسہ کے اسٹیشن ہی پر اعلیٰ حضرت نے فرمایا شیخ کامل کی خوشبو آ رہی ہے۔ امام الاولیاء سلطان العارفین تاجدار مارہرہ حضرت مولانا خواجہ سید شاہ آل رسول صاحب حسینی قدس سرہ فرمایا آیئے ہم تو کئی روز سے انتظار کر رہے ہیں پھر بیعت فرمایا اور اسی وقت تمام سلاسل کی اجازت بھی عطا فرما دی یعنی خلافت بھی بخش دی اور جو عطیات سلف سے چلے آ رہے تھے وہ بھی سب عطا فرما دیئے اور ایک صندوقچی جو وظیفہ کی صندوقچی کے نام سے منسوب تھی عطا فرمائی اور تمامی اوراد و وظائف اعمال و اشغال کی اجازت مرحمت فرمائی اور مریدین کو جو حاضر تھے

تعجب ہوا جس میں قطب دوراں تاج الاولیاء حضرت مولانا شاہ سید ابوالحسین احمد نوری میاں صاحب علیہ الرحمۃ نے (جو حضرت کے پوتے اور جانشین تھے) اپنے جد امجد سے عرض کیا حضور بائیس سال کے اس بچہ پر یہ کرم کیوں ہوا؟ جبکہ حضور کے یہاں کی خلافت اجلات اتنی عام نہیں برسوں مہینوں آپ چلے ریاضتیں کراتے ہیں جو کی روٹی کھلوا کر منزلیں طے کراتے ہیں پھر اگر اس قابل پاتے ہیں تب ایک دو سلسلہ کی اجازت خلافت (تاکہ تمام سلاسل کی) عطا فرماتے ہیں حضرت نوری میاں علیہ الرحمۃ و الرضوان بھی بہت بڑے روشن ضمیر عارف باللہ تھے اس لئے یہ سب کچھ دریافت کیا تاکہ زمانے کو اس بچے کا مقام ولایت و شان مجددیت کا پتہ چل جائے سید ناشاہ آل رسول قدس سرہ نے ارشاد فرمایا اے لوگو تم احمد رضا کو کیا جانو یہ فرما کر رونے لگے اور ارشاد فرمایا میاں صاحب میں متفکر تھا کہ اگر قیامت کے دن رب العزت جل مجدہ نے ارشاد فرمایا کہ آل رسول تو دنیا سے میرے لئے کیا لایا تو میں کیا جواب دوں گا الحمد اللہ آج وہ فکر دور ہو گئی مجھ سے رب تعالیٰ جل وعلا جب یہ پوچھے گا کہ تو دنیا سے میرے لئے کیا لایا تو میں مولانا احمد رضا خاں کو پیش کر دوں گا اور حضرات اپنے قلوب زنگ آلود لے کر آتے ہیں ان کو تیار ہونا پڑتا ہے یہ اپنے قلب کو مجلی مصفی لے کر تشریف لائے بالکل تیار آئے ان کو تو صرف نسبت کی ضرورت تھی نیز فرمایا کہ میاں صاحب میری اور میرے مشائخ کی تمام تصانیف مطبوعہ یا غیر مطبوعہ جب تک مولانا احمد رضا [illegible]

کو یہ بتائیں جسے وہ چھاپی جائے جس کو منع کریں اور ہرگز نہ چھاپی جائے۔ جو عبارت یہ بڑھا دیں وہ میری اور میرے مشائخ کی جانب سے بڑھی ہوئی بھی جائے اور جس عبارت کو کاٹ دیں وہ کٹی ہوئی بھی جائے۔ بارگاہ نبوی ﷺ سے یہ اختیارات ان کو عطا ہوئے ہیں۔ حضرت نوری میاں صاحب قدس سرہ نے پھر جو اعلیٰ حضرت کے چہرہ مبارک پر نظر ڈالی تو برجستہ فرمانے لگے۔ واللہ یہ چشم و چراغ خاندان برکات ہیں۔"

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ

کے

ہم عصر

قدوۃ السالکین

سیدنا حاجی وارث علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ

1238ھ -------- 1323ھ

قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین حضرت سیدنا حاجی وارث علی شاہ علیہ الرحمتہ سلسلہ عالیہ وارثیہ کے مورث اعلیٰ ہیں' اور فقیر کے جد اعلیٰ بھی ہیں۔ آپ کو سلسلہ عالیہ قادریہ میں اپنے بہنوئی حضرت سید خادم علی شاہ علیہ الرحمتہ سے شرف خلافت حاصل ہے آپ کی ساری زندگی فقیرانہ حالت میں گزری۔ والدین بچپن ہی میں داغ مفارقت دے گئے تھے سات سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا پندرہ سال کی عمر میں سلطان الہند خواجہ حضرت معین الدین اجمیری علیہ الرحمتہ کے دربار میں حاضر ہوئے تو جوش ادب میں آپ نے ہمیشہ کے لئے جوتا ترک کر دیا حج بیت اللہ شریف اور روضہ رسول ﷺ میں کم عمری ہی میں کئی دفعہ حاضری کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے دوران حج روزانہ مسجد حرام میں دو رکعت میں پورا کلام پاک ختم فرمایا کرتے تھے آپ کا پیغام "محبت" ہے اور آپ نے ہمیشہ درس محبت ہی دیا یہی وجہ ہے کہ آپ کے سلسلہ میں محبت ہی محبت نظر آتی ہے آپ کا مزار انوار دیوہ شریف (ضلع بارہ بنکی' انڈیا) میں مرجع انام ہے۔

ہندوستان کے معروف عالم دین مولانا عبید اللہ خاں اعظمی مدظلہ فرماتے ہیں:

> سوال کیا جاتا ہے کہ انہیں "اعلیٰ حضرت" کیوں کہتے ہو، ہم نے تو نہیں کہا، کسی نے کہا ہم نے متابعت کرلی، مولانا حاجی سید وارث علی شاہ رحمتہ اللہ علیہ کی عادت تھی کہ جب مولوی لوگ آتے تھے تو کسی کو "مولانا" نہیں کہتے تھے۔ کتنے بڑے بھی عالم آپ کی خدمت میں گئے، ہمیشہ حضرت نے "مولوی" ہی کہا مگر جب اعلیٰ حضرت علیہ الرحمتہ اپنے چند خادموں کے ساتھ آپ کی زیارت کو گئے تو حضرت حاجی سید وارث علی شاہ علیہ الرحمتہ اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمانے لگے۔
>
> "آؤ! مولانا آؤ! آپ تو اعلیٰ حضرت ہو۔"
>
> قبلہ حاجی وارث علی شاہ علیہ الرحمتہ کے عطاکردہ لقب کو ایسی شہرت دوام حاصل ہے کہ جب بھی "اعلیٰ حضرت" کا لفظ استعمال کیا جائے تو اس سے امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمتہ ہی کا نام سامنے آجاتا ہے۔

شیر ربانی میاں شیر محمد شرق پوری علیہ الرحمۃ

1292ھ ---------- 1347ھ

شیر ربانی حضرت میاں شیر محمد شرق پوری علیہ الرحمتہ اپنے دور کے جلیل القدر قطب ہیں، آپ ظاہری و باطنی علوم و فنون میں یگانہ روز ہیں۔ آپ عالم شباب ہی میں حضرت خواجہ امیر الدین علیہ الرحمتہ کے دست شفقت پر بیعت ہوئے۔ آپ کی ساری زندگی تبلیغ اسلام میں گزری۔ آپ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ کشف و کرامات سے مرقع نظر آتا ہے۔ لیکن آپ کی سب سے معروف

کرامت "سنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم" سے محبت و عقیدت ہے۔ آپ نے تبلیغ دین کے سلسلے میں کسی کی بھی رعایت نہ فرمائی۔ سنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا حسین نقشہ پیش فرمایا کہ اس پر آنے والی نسلیں تا قیامت جتنا فخر کریں کم ہے۔ آپ نے ایک آن بھی سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی خلاف ورزی برداشت نہیں کی۔ آپ صحیح معنوں میں عاشق الرسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ کا مزار فیض آثار "شرق پور شریف" (شیخو پورہ) میں دعوت نظارہ دے رہا ہے۔

حضرت شیر ربانی علیہ رحمتہ اور اعلیٰ حضرت بریلوی کے عقائد و نظریات میں کافی ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ آپ نے بھی عقائد حقہ کی سختی سے پاسبانی فرمائی۔ آپ کی مسجد کے محراب پر بھی لکھا ہوا ہے۔ "یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ۔"

مولانا محمد صابر نسیم بستوی لکھتے ہیں:

"شیخ وقت حضرت شیر ربانی میاں شیر محمد شرق پوری علیہ الرحمتہ کو خواب میں حضور غوث اعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ' السبحانی کی زیارت ہوئی۔ میاں صاحب نے دریافت کیا حضور! اس وقت دنیا میں آپ کا نائب کون ہے؟ ارشاد فرمایا۔ "بریلی میں احمد رضا"۔

حاجی فضل احمد مونگہ شرق پوری تحریر فرماتے ہیں:

حضرت میاں صاحب شرق پوری رحمتہ اللہ علیہ ایک دفعہ بریلی شریف بھی گئے تھے' واپسی پر آپ نے بابا شیخ محمد عاشق مونگہ مرحوم کو فرمایا۔ "عاشقا! میں بریلی شریف گیا تھا' جب میں وہاں پہنچا تو مولانا احمد رضا خاں (علیہ الرحمتہ) درس دے رہے تھے۔ یار! جب میں نے بیٹھ کر ان کا درس سنا تو مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب (علیہ

الرحمتہ) جو بھی حدیث شریف بیان کرتے ہیں وہ براہ راست حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ کر بیان کرتے ہیں۔" ملخصاً

سلطان العلماء پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ

1275ھ ---------- 1365ھ

صوفیائے پنجاب میں سلطان العلماء پیر سید مہر علی شاہ گولوی علیہ الرحمتہ کا نام ممتاز و نمایاں ہے۔ آپ کو سلسلہ عالیہ چشتیہ نظامیہ میں شمس العارفین خواجہ شمس الدین سیالوی علیہ الرحمتہ اور سلسلہ عالیہ چشتیہ صابریہ میں شیخ العرب والعجم حاجی امداد اللہ مہاجر کی علیہ الرحمتہ سے اجازت و خلافت حاصل ہے۔ آپ مرد کامل، عالم فاضل، فقیہہ اور قادر الکلام شاعر ہیں۔ آپ "مجدد وقت" بھی تھے، آپ نے اسلام و مسلمین کے خلاف اٹھنے والے فتنوں کے خلاف قلمی اور علمی جہاد فرمایا ہے، مرزا لعین قادیانی نے جب مجددیت سے نبوت کا اپنا پر فریب جال پھیلایا تو آپ ہی نے مرزا لعین کے کافرانہ دعوے پر ایسی کاری ضرب لگائی کہ آج تک مرزائیت کے ایوانوں میں زلزلہ بپا ہے۔ آپ کی اس مساعی جمیلہ کو امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمتہ نے بھی بنظر استحسان دیکھا ہے۔ مفتی گولڑہ مولانا فیض احمد فیض کے استفسار کے جواب میں خلیفہ اعلیٰ حضرت قطب مدینہ مولانا ضیاء الدین مدنی علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں:

"مرزا قادیانی کو شکست فاش دینے کے بارے میں حضرت پیر صاحب گولڑوی علیہ الرحمتہ کا ذکر خیر بریلی شریف میں نمایاں طور پر مجالس خاصہ میں ہوتا رہتا تھا، حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمتہ بڑی عزت و توقیر سے آپ کا نام لیتے اور

آپ کی بعض تصانیف بھی وہاں موجود تھیں، حضرت فاضل
بریلوی (علیہ الرحمتہ) گفتگو میں ان کے حوالے بھی دیتے
رہتے۔"

مرزائیت کے رد میں "شمس الہدیت" اور سیف چشتیائی" آپ کی لاجواب کتابیں ہیں، آپ کی دیگر تصانیف میں "تحقیق الحق فی کلمتہ الحق، اعلاء کلمتہ اللہ، الفتوحات الصمدیہ، فتاویٰ مہریہ اور ملفوظات مہریہ" بھی قابل ذکر ہیں۔ دنیائے تصوف کے اہم ترین نظریہ "وحدت الوجود" پر تو آپ ایک اتھارٹی کا درجہ رکھتے تھے۔ آپ کا مزار اس وقت گولڑہ شریف (اسلام آباد) میں حاجت روائے خلق ہے۔

امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمتہ اور پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی علیہ الرحمتہ ہم عصرو ہم زمانہ ہیں۔ دونوں کے درمیان اعتقادی ہم آہنگی، فکری یکسانیت اور سیاسی بصیرت میں موافقت اظہر من الشمس ہے۔

امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمتہ مرجع المشائخ و العلماء ہیں۔ بلاد اسلامیہ اور دیگر کئی ممالک سے مشائخ عظام اور علماء کرام نے اپنے استفتاء اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمتہ کی موجودگی میں دربار عالیہ گولڑہ شریف سے بھی چند استفتاء اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمتہ کی خدمت میں ارسال کئے گئے تھے جن کے جوابات "فتاویٰ رضویہ" میں چھپ چکے ہیں۔

اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمتہ کے ایک معروف فتویٰ پر مشاہیر علماء و مشائخ کی طرح پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی علیہ الرحمتہ نے بھی ان الفاظ میں تائید و توثیق فرمائی ہے:۔

"آپ کے استفسار کے متعلق جواباً گزارش ہے
کہ اہل السنت کو اہل ہوا و بدعت کے لئے اشاعت امور
ہوائیہ و بدعیہ میں امداد دینی نہ چاہئے، میں چونکہ مفتی نہیں
ہوں۔ لہٰذا مہر بھی نہیں رکھتا۔" ملخصاً

شیخ الحدیث مولانا عبدالرزاق صاحب مدظلہ (سکنہ گوھدو' راولپنڈی فرماتے ہیں:

ایک دن میں اور مولانا عبدالغفور ہزاروی علیہ الرحمتہ' اعلیٰ حضرت گولڑوی علیہ الرحمتہ ناظم مراسلات ملک سلطان محمود ٹوانہ مرحوم کے پاس بیٹھے تھے' ملک صاحب نے فرمایا کہ حضرت کے آخر دور میں جو خطوط آتے ان پر مختلف اشعار لکھتے ہوتے' ایک دن میں مکاتیب سنا رہا تھا کہ ایک مکتوب کھولا اور یہ شعر پڑھا۔

پیش نظر وہ نوبہار سجدہ کو دل ہے بے قرار
ارے روکئے سر کو روکئے' یہی تو امتحان ہے

آپ نے پوچھا یہ شعر کس کا ہے؟ حاضرین میں سے ایک صاحب نے کہا۔ "یہ شعر مولانا احمد رضا خاں بریلوی (علیہ الرحمتہ) کا ہے۔ اس پر آپ نے فرمایا۔ "ایسا شعر کہنا ان ہی کی شان عالی کے مناسب ہے"۔ ملخصاً"

اعلیٰ حضرت گولڑوی کے محب صادق بابا فضل خان مٹھیالوی فرماتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت گولڑوی علیہ الرحمتہ کے وصال کے تیسرے دن دربار شریف کی مسجد میں علماء کرام اور دیگر بزرگان عظام رونق افروز تھے۔ حضرت قبلہ غلام محی الدین شاہ المعروف قبلہ بابو جی علیہ الرحمتہ کی دستار بندی کا پروگرام تھا۔ اس سلسلے میں جب آپ سے بات کی گئی تو آپ نے فرمایا:۔

"اعلیٰ حضرت گولڑوی (علیہ الرحمتہ) فرماتے تھے کہ ہندوستان میں مولانا احمد رضا خاں بریلوی (علیہ الرحمتہ) اور مولانا محمد غازی خاں (علیہ الرحمتہ) ہی صرف ایسے تھے جن کے عالم ہونے پر مجھے یقین ہے۔ اس لئے مولانا محمد غازی خاں (علیہ الرحمتہ) کی دستار بندی کی جائے اور انہیں اعلیٰ حضرت گولڑوی (علیہ الرحمتہ) کا جانشین بنایا جائے"۔

اگرچہ بعض اہلِ علم کی تحقیق کے مطابق اعلیٰ حضرت بریلوی (علیہ الرحمتہ) اور اعلیٰ حضرت گولڑوی (علیہ الرحمتہ) کی ملاقات ثابت نہیں۔ لیکن اس ضمن میں درج ذیل روایت کو نظرانداز کرنا بھی سرا سر ناانصافی ہے۔ مفتی غلام سرور قادری رقمطراز ہیں:

"جامع مسجد ہارون آباد کے امام اور غلہ منڈی ہارون آباد کی مسجد کے خطیب مولانا مولوی احمد الدین صاحب فاضل مدرسہ انوار العلوم نے راقم الحروف کو بتایا کہ میں نے حضرت علامہ فہامہ محقق اہل سنت مولانا مولوی نور احمد صاحب فریدی رحمتہ اللہ علیہ کو بارہا فرماتے سنا کہ عارف باللہ امام اہل سنت حضرت مولانا مولوی سید پیر مہر علی شاہ صاحب قبلہ گولڑوی رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے تھے کہ آپ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمتہ کی زیارت کے لئے بریلی شریف حاضر ہوئے تو اعلیٰ حضرت (علیہ الرحمتہ) حدیث شریف پڑھا رہے تھے' فرماتے ہیں' مجھے یوں محسوس ہوتا کہ اعلیٰ حضرت (علیہ الرحمتہ) حضور پر نور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ دیکھ کر آپ کی زیارت شریفہ کے انوار کی روشنی میں حدیث پڑھا رہے ہیں"۔ واللہ اعلم بالصواب

مولانا پیر محمود احمد قادری لکھتے ہیں:۔

"حکیم عبداللطیف فلسفی خاندان اطبائے لکھنؤ کے چشم چراغ اور طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے پرنسپل تھے نے ایک موقع پر بیان فرمایا تھا کہ دارالعلوم معینیہ عثمانیہ اجمیر شریف کے ایک امتحان کے موقع پر نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خان شیروانی سابق صدر امور مذہبی حیدر آباد دکن نے اکابر علماء حضرت مولانا حکیم سید

برکات احمد ٹونکی' حضرت "مولانا پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی"' اساتذہ العلماء مولانا مشتاق احمد کانپوری' حضرت مولانا سید سلیمان اشرفی چیئرمین اسلامک اسٹڈیز مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے دریافت کیا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمامہ شریف میں کتنے پیچ ہوتے تھے؟ مولانا سید سلیمان اشرفی نے فرمایا' اس کا جواب صرف مولانا شاہ احمد رضا بریلوی قدس سرہ دیتے مگر افسوس کہ وہ اب اس دنیا میں نہیں! مولانا کے اس فرمان کی تمام علماء نے تائید کی"۔

شہریار تصوف خواجہ محمد یار فریدی رحمۃ اللہ علیہ

1300ھ ------------- 1367ھ

شہریار تصوف خواجہ محمد یار فریدی علیہ الرحمۃ مشائخ پنجاب میں فن خطابت کے بادشاہ گزرے ہیں۔ آپ حضرت خواجہ غلام فرید علیہ الرحمۃ (چاچڑاں) کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے' شیخ طریقت کے وصال کے بعد ان کے صاحبزادے خواجہ محمد بخش نازک سے دس سال کسب فیض حاصل کیا پھر اپنے پیرو مرشد کے پوتے خواجہ محمد معین الدین صاحب کی خدمت میں رہے اور خلافت سے نوازے گئے' مولانا نور احمد فریدی علیہ الرحمۃ سے بھی آپ کو خلافت حاصل تھی۔ 1333ھ میں آپ حج بیت اللہ اور زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے۔ آپ مثنوی مولانا روم علیہ الرحمۃ بڑے دلکش انداز میں پڑھتے اور اس کی تشریح ایسے دلچسپ پیرائے میں فرماتے کہ ہر شعر کے رموز و اسرار آئینے کی طرح روشن ہو جاتے تھے' اگرچہ آپ نے کسی جامعہ سے باقاعدہ تعلیم حاصل نہیں کی اور نہ ہی شعروسخن کی محفلوں کے باضابطہ حاضرباش تھے لیکن ان

کے فارسی کلام میں اساتذہ کا رنگ جھلکتا ہے۔ ان کی اردو سے دلی اور لکھنؤ کی مہلک آتی ہے۔ آپ کے "دیوان محمدی" میں فکر' فن اور جذبے کا اتنا خوشگوار امتزاج ہے کہ تین مختلف زبانوں میں لکھنے والے کسی اور شاعر کے ہاں اس کی مثال ملنا محال ہے۔ آپ "وحدت الوجود" کے نہ صرف شارح اور مفسر ہیں بلکہ عملی معلم اور پیکر ہیں۔

خواجہ محمد یار فریدی علیہ الرحمتہ کو اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمتہ سے انتہائی عقیدت و محبت تھی۔ نامور علمی شخصیت صاجزادہ سید محمد فاروق القادری (سجادہ نشین شاہ آزباد شریف گڑھی اختیار خان) فرماتے ہیں:۔

"ایک محفل میں آپ کو فاضل بریلوی مولانا محمد رضا خاں بریلوی (علیہ الرحمتہ) کی موجودگی میں منبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر بٹھایا گیا' ایک عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بڑی خواہش اور کیا ہو سکتی ہے کہ سامنے بھی اپنے آپ کا نامور عالم' شیخ طریقت اور بلند مرتبہ عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہو جو علم و معرفت کی تمام لطافتوں اور باریکیوں کو نہ صرف سمجھتا ہو بلکہ خود اس راہ کا راہی ہو' خواجہ محمد یار (علیہ الرحمتہ) نے اپنے مخصوص انداز میں خطبہ شروع کیا تو فاضل بریلوی (علیہ الرحمتہ) نے اٹھ کر آپ کے گلے میں پھولوں کا ہار ڈالا اور فرمایا۔ "سر آمد واعظین پنجاب۔"

خواجہ محمد یار فریدی علیہ الرحمتہ کا اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمتہ سے قلمی رابطہ بھی رہا ہے۔ آپ نے چاچڑاں شریف کے مدرسے میں تدریس کے دوران بزبان فارسی وراثت کے سلسلہ میں ایک استفتاء بریلی شریف روانہ کیا' اعلیٰ حضرت علیہ الرحمتہ نے بھی اس کا فارسی ہی میں جواب عنایت فرمایا۔

خواجہ صاحب علیہ الرحمتہ نے ایک محفل میں جب اعلیٰ حضرت علیہ الرحمتہ کا قصیدہ معراجیہ ... اعتراض کیا جن میں

بیت اللہ کو دلہن اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دولہا سے تشبیہ دی گئی ہے' آپ نے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی خدمت میں ان الفاظ میں استفتاء ارسال کیا:

"قبلہ معتقدین وام ظلہ' لنز خاکسار محمد یار مشتاق دیدار بعد نیاز شب معراج آپ کا قصیدہ معراجیہ پڑھا گیا' جس پر وہابیوں نے دولہا دلہن کے متعلق شور اٹھایا کہ اللہ جل جلالہ و حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں ان الفاظ کا استعمال کرنا موجب کفر ہے' شب برات کو یہاں گڑھی اختیار خاں میں ان الفاظوں کے متعلق وہابیوں کی طرف سے میرے ساتھ ایک طویل بحث ہونے والی ہے۔

اے مجدد بے سرو ساماں مدد دے
قبلہ دیں مدد دے کعبہ ایماں مدد

ضرور مہربانی فرمائی فرمایا کہ دلائل قاطع سے اس تشبیہ کا ثبوت مدلل کرکے اس ہفتہ میں بھیج کر مسلمان اہل سنت و الجماعت کو عزت بخشی حضور پر فرض بھی جارہی ہے۔ یہ فی سبیل اللہ بصدقہ روضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کام کو سب کاموں پر مقدم فرما کر وہ تحریر فرمادیں کہ موجب اطمینان اہل اسلام ہو۔"

اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمتہ نے فوری طور پر جواب ارسال کیا اور اپنے موقف کی تائید میں مختلف کتابوں سے شواہد و نظائر اور آثار و اخبار پیش کئے' جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی کرم اللہ وجہہ' بیت اللہ شریف اور جنت کو دولہا اور دلہن سے تشبیہ دی گئی ہے۔"

نذرانہ عقیدت

النقیب الاشراف

السید طاہر علاء الدین القادری الگیلانی علیہ الرحمۃ

1352ھ ------------ 1412ھ

النقیب الاشراف السید طاہر علاؤالدین القادری الگیلانی البغدادی علیہ الرحمۃ، پیران پیر دستگیر غوث الاعظم سیدنا عبد القادر جیلانی علیہ الرحمۃ کی سولہویں پشت سے حضرت محمود حسام الدین علیہ الرحمۃ کے فرزند ارجمند ہیں۔ آپ بے شمار روحانی کمالات و تصرفات سے بہرہ مند تھے۔ آپ تقویٰ، طہارت، سیرت و کردار، معرفت و روحانیت اور جمال و جلال میں سیدنا غوث الاعظم علیہ الرحمۃ کی تصویر تھے۔

آپ نے اپنے آبائی وطن بغداد شریف کو چھوڑ کر نقل مکانی کی اور پاکستان کو اپنا مسکن بنالیا۔ زیادہ قیام کوئٹہ میں ہوا کرتا تھا تاہم سردیوں میں کراچی تشریف لے آتے۔ پاکستان اتنا پسند آیا کہ آپ نے اسے اپنی آخری آرام گاہ کے لئے بھی منتخب کر لیا۔ آپ کے صاحبزادگان کی اولین ترجیح آپ کو بغداد شریف میں ہی دفن کرنا تھا لیکن عراق کویت جنگ کے باعث اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ آپ سرزمین پاکستان ہی میں دفن ہوں۔
[illegible]

گیا۔ اب یہاں حضور غوث الاعظم سیدنا عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ کے روضہ مبارک (بغداد شریف) کے مطابق آپ کا مقبرہ زیر تعمیر ہے۔ دنیا بھر میں لاکھوں کی تعداد میں مریدین اور وابستگان آپ سے روحانی فیض پا چکے ہیں اور پا رہے ہیں۔

آپ ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت محدث بریلوی علیہ الرحمۃ کے مزار پر حاضری دینے کے لئے بریلی شریف بھی تشریف لے گئے تھے۔ شہزادہ اعلیٰ حضرت مفتی اعظم ہند مولانا محمد مصطفیٰ رضا خان نوری علیہ الرحمہ نے آپ کی بڑی تعظیم و تکریم فرمائی۔ جب تک آپ بریلی شریف میں قیام پذیر رہے، مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ ننگے پاؤں رہے۔

"یوم رضا" کے موقع پر مرکزی مجلس رضا لاہور کے نام اپنے پیغام میں فرماتے ہیں:

> "مولانا احمد رضا خاں قادری بریلوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ، عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور عاشق حضرت غوث الاعظم دستگیر رضی اللہ عنہ، عابد و متقی عالم موحد و خادم سادات تھے، انہوں نے اسلام کے لئے بے حد خدمات انجام دیں اور ان کا مدرسہ بابرکت ہے، خود مولانا مغفور اور ان کے شاگردوں نے ہندوستان و پاکستان میں اسلام کی بے حد خدمات سرانجام دیں، بالخصوص اہل سنت و جماعت کے لئے بد عقیدہ جو اہل سنت و جماعت کے مخالفین تھے کو شکست فاش دی، مولانا احمد رضا خاں موصوف کو رسول اعظم و غوث پاک کے طفیل بلند درجات عطا ہوئے ہیں اور ہم لوگ ان کی عزت کرتے ہیں کیونکہ موصوف مانے ہوئے اہل سنت و جماعت کے عالم و حامی تھے۔"

اسی طرح [illegible] الرحمۃ [illegible]

تحقیقات امام احمد رضا کراچی) کے نام یوں پیغام ارسال فرمایا:

"امام احمد رضا علیہ الرحمتہ ایسی نابغہ روزگار ہستی جس کی علمی روحانی' دینی اور ملی خدمات اُن گنت ہیں' کہیں صدیوں میں پیدا ہوتی ہے۔

مجھے بے حد خوشی ہے کہ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا' علوم جدیدہ سے بہرہ ور طبقے اور نئی نسل کے لئے امام احمد علیہ الرحمتہ کے علمی شہ پاروں کو شائع کر کے ایک ٹھوس کام کر رہا ہے۔

میں آپ کو مبارک باد پیش کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ آپ کو اور اراکین ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کو ہمت' استقامت اور حوصلہ عطا فرمائے اور ایسے اسباب مہیا فرما دے کہ آپ ایسے پرفتن دور میں جبکہ ہر طرف بے راہ روی کا دورہ ہے' اس شمع کو روشن رکھ سکیں' جس کی ضو امام احمد رضا علیہ الرحمتہ نے ہم تک پہنچائی ہے۔ امام احمد رضا علیہ الرحمتہ کے مشن کو امت مسلمہ کے اتحاد اتفاق کا ذریعہ بنانا ہی دراصل ان کو زبردست خراج عقیدت پیش کرنا ہے۔"

* @ * @ *

نذرانہ عقیدت

غزالی دوراں

علامہ سید احمد سعید شاہ کاظمی رحمۃ اللہ علیہ

1913ء ------------ 1986ء

غزالی دوراں علامہ سید احمد سعید شاہ کاظمی چشتی علیہ الرحمتہ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ آپ بے مثل مفسر قرآن' لاثانی محدث' عظیم فقیہہ اور عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے' آپ کا تعلق خانوادہ سادات سے ہے۔ آپ نے اپنے اجداد کی ترجمانی کا حق ادا کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ آپ کی ساری زندگی فرقہ ہائے باطلہ کے خلاف قلمی جہاد میں گزری۔ آپ کی بے شمار تصانیف مینارہ نور کی حیثیت رکھتی ہیں۔ تحریک پاکستان میں بھی آپ کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ آپ کے مشاہیر تلامذہ نہ صرف کثیر تعداد میں بلکہ علم و فضل میں بھی نادر روزگار ہیں۔ آپ کا دربار گوہربار مدینتہ الاولیاء ملتان میں مرجع خلائق ہے۔

قبلہ علامہ کاظمی علیہ الرحمتہ' امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمتہ کے عاشق زار تھے۔ جب بھی کسی نے اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمتہ کی شخصیت کو داغدار کرنے کی ناپاک جسارت کی تو آپ کا راہوار قلم فورا" تعاقب میں

سرپٹ دوڑتا، بالآخر معترض کو راہ فرار اختیار کرنی پڑتی۔

آپ کی تمام تصنیفات، مقالات اور ملفوظات سے محبت رضا اظہر من الشمس ہے۔ بخوف طوالت یہاں چند جھلکیاں ملاحظہ فرمایئے۔

جناب مفتی غلام سرور قادری رقم طراز ہیں کہ "ایک مرتبہ راقم مولانا نور احمد فریدی علیہ الرحمتہ کے عرس کے موقع پر حضرت کے ساتھ جتوئی شہر گیا، رات کو حضرت تقریر کرکے اپنی نشست گاہ پر تشریف لائے اور اپنی چارپائی پر لیٹے تو راقم آپ کے پاؤں دبانے بیٹھ گیا۔ حضرت نے فرمایا کہ کوئی بات کریں۔ راقم نے عرض کی کہ مدرسہ انوار العلوم میں ایک صاحب نے اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمتہ کے بارے میں کہا ہے کہ وہ تو علم ظاہری کے ایک عالم تھے، بس یہ سنتے ہی حضرت اٹھ کر بیٹھ گئے، پھر فرمایا کہ :-

"مولانا! جس نے یہ بات کی ہے وہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمتہ کے مقام سے بے خبر ہے۔"

پھر فرمایا کہ :

"مولانا! اعلیٰ حضرت بریلوی رحمتہ اللہ علیہ اپنے زمانے کے مجدد برحق ہونے کے ساتھ ساتھ بے مثال عالم، بے مثل فقیہہ، بے مثل محدث اور بے مثل محقق تھے، پھر فرمایا کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمتہ اپنے زمانے کے غوث اور قطب عالم تھے، ان کی مثال اعلیٰ حضرت علیہ الرحمتہ سے پہلے دور دور تک بھی نظر نہیں آتی، درحقیقت میرے سمیت اس دور کے تمام سنی علماء اعلیٰ حضرت علیہ الرحمتہ ہی کے چشمہ علم و عرفان سے مستفید و مستفیض ہونے والے ہیں۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمتہ کے بعد ان کے دو صاحبزادوں حجتہ الاسلام امام حامد رضا خاں علیہ الرحمتہ اور مفتی اعظم ہند امام مصطفیٰ رضا خاں علیہ الرحمتہ جیسی ہستیاں بھی اپنی جگہ

بے مثل ہیں اور ان کے پائے کی علمی و حقانی اور ربانی شخصیتیں نظر نہیں آتیں"۔

جناب مفتی غلام سرور قادری ہی ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ "ایک مرتبہ ملتان میں حضرت قبلہ کاظم علیہ الرحمتہ کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا اور اس دوران داڑھی کی حد شرع یک مشت سے واجب ہونے سے متعلق اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمتہ کے فتوے کا ذکر آیا کہ جو شخص داڑھی ایک مشت سے کم کراتا ہے وہ فاسق معلن ہے اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے اور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمتہ کے اس فتوے پر فقیر نے انوار العلوم کے بعض اساتذہ کی تنقید کا ذکر کیا' سیدی و سندی قبلہ کاظمی صاحب علیہ الرحمتہ اس وقت لیٹے ہوئے تھے' یہ سنتے ہی اٹھ بیٹھے اور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمتہ کے اس فتوے پر تنقید کرنے والے صاحب پر ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ:

"اعلیٰ حضرت علیہ الرحمتہ کے فتوے پر تنقید ہم سے برداشت نہ ہوگی' یہ مدرسہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمتہ کے نظریات حقہ کا علم بردار ہے۔ ہم کیا ہیں؟ جو کچھ ہیں' اعلیٰ حضرت ہیں' سب کچھ انہیں کا صدقہ ہے۔ ہم انہیں کے ریزہ خوار ہیں' ہم انہیں کے نام لیوا ہیں۔ جو شخص اعلیٰ حضرت علیہ الرحمتہ کے نظریات و تحقیقات شریفہ سے متفق نہیں ہم اسے برداشت نہیں کر سکتے۔ ہمارے مدرسہ میں ایسے شخص کی کوئی گنجائش نہیں۔"

مزید فرمایا:

"ہم سب اہل سنت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمتہ ہی کی عظمت فکر کے مدح خواں ہیں اور جو علماء اہل سنت میدان تحقیقات میں جولانیاں دکھاتے یا فضائے تدقیق میں پرواز کرتے ہیں۔ یہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمتہ ہی کے فیوضات ہیں جن سے کوئی بھی عالم بے نیاز نہیں رہ سکتا۔"

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ

کے

چند خلفاء

صدر الافاضل

مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی قدس سرہ

موجودہ صدی میں اہل سنت و جماعت کے کئی جلیل القدر اساطین علم و فضل اور منادید فضیلت و معرفت گزرے ہیں' جن میں صدر الافاضل' بدر الاماثل سیدی مولانا سید محمد نعیم الدین مرادی آبادی رحمتہ اللہ تعالیٰ کا نام نامی بہت ہی نمایاں ہے۔

آپ کی ولادت مبارک 21 صفر المظفر یکم جنوری 1300ھ 1883ء) بروز پیر ہوئی۔ تاریخی نام "غلام مصطفیٰ" (1300ھ) تجویز ہوا۔ آپ کے والد ماجد حضرت مولانا سید محمد معین الدین نزہت (م1339ھ) اور جد امجد حضرت مولانا سید امین الدین راسخ ابن مولانا سید کریم الدین آرزو اپنے اپنے دور میں اردو اور فارسی کے استاد مانے گئے ہیں۔ آٹھ سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کیا' اردو اور فارسی کی تعلیم والد گرامی سے حاصل کی۔ ملا حسن تک درسی کتابیں حضرت مولانا شاہ فضل احمد رحمتہ اللہ تعالیٰ سے پڑھیں۔ بعد ازاں استاذ العلماء حضرت مولانا سید گل محمد قدس سرہ مہتمم مدرسہ امدادیہ مراد آباد سے درس نظامی اور دورۂ حدیث کی تحصیل و تکمیل کی اور ایک سال فتویٰ نویسی کی مشق کے بعد 1320ھ 1902ء میں دستار فضیلت حاصل کی۔ اس موقع پر آپ کے

والد گرامی نے تاریخ کی۔

ہے میرے پسر کو ، طلباء پر وہ تفضل
سیاروں میں رکھتا ہے جو مریخ فضیلت
نزہت نعیم الدین کو یہ کہہ کے سنا دے
دستار فضیلت کی ہے تاریخ فضیلت

سلسلہ عالیہ قادریہ میں استاذ مکرم حضرت مولانا سید گل محمد قدس سرہ العزیز کے دست اقدس پر بیعت ہوئے اور ایک عالم کو فیض یاب فرمایا۔ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز نے بھی خلافت عطا فرمائی۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی محققانہ تصانیف کے مطالعہ سے حضرت صدر الافاضل کے دل میں گہری محبت عقیدت پیدا ہو گی تھی ایک دفعہ جودھپور کے ادریس نامی ایک مخالف نے نظام ملک اخبار میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے خلاف ایک مضمون لکھا جس میں دل کھول کر دشنام طرازی کا مظاہرہ کیا۔ حضرت صدر الافاضل کو اس مضمون کے دیکھنے سے سخت صدمہ ہوا اسی رات اس کے خلاف ایک مضمون تحریر فرمایا اور نظام الملک اخبار میں شائع کرا دیا اعلیٰ حضرت قدس سرہ کو پتا چلا تو حاجی محمد اشرف شاذلی کو تحریر فرمایا کہ مولانا سید محمد نعیم الدین کو ساتھ لے کر بریلی آئیں۔ اس ملاقات میں حضرت صدر الافاضل مولانا احمد رضا بریلوی کی شفقت و محبت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ کوئی مہینہ بریلی شریف کی حاضری سے خالی نہ جاتا۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ کو حضرت صدر الافاضل قدس سرہ پر اس قدر اعتماد تھا کہ جہاں کہیں مناظرہ ہوتا حضرت صدر الافاضل کو روانہ فرماتا۔ آپ کو مناظرہ میں بے پناہ مہارت حاصل تھی عیسائی آریہ روافض خوراج قادیانی اور غیر مقلدین سے بارہا مناظرے کا اتفاق ہوا اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہر میدان میں غلبہ پایا۔

آپ کو مناظرہ میں زبردست کمال حاصل تھا بڑے سے بڑے مناظر کو چند جملوں میں لاجواب کر دین آپ کے لئے معمولی سی بات تھی دور طالب علمی میں ایک آریہ سے گفتگو فرمائی اس نے اعتراض کیا کہ منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹا ہوتا ہے اور تمہارے پیغمبر نے اپنے بیٹے زید کی بی بی سے نکاح کر لیا تھا۔ حضرت صدر الافاضل نے دلائل عقلیہ سے بیان کیا کہ کسی کو بیٹا کہنے سے اس کی حقیقت نہیں بدلتی حقیقت میں بیٹا وہ ہوتا ہے جو کسی کے نطفے سے پیدا ہو لیکن پنڈت نے کہا میں نہیں مانتا آپ نے فرمایا میں تمہیں ابھی منوائے دیتا ہوں مجمع کو مخاطب کرتے ہوئے یہ پنڈت میرا بیٹا ہے۔

لہٰذا پنڈت جی کے قول کے مطابق یہ میرے حقیقی بیٹے بن گئے اور حقیقی بیٹے کی بی بی باپ پر حرام اور اس کی ماں حلال ہوتی ہے تو ان کی ماں مجھ پر حلال ہو گئی۔ پنڈت یہ سن کر بوکھلا گیا اور کہنے لگا تم مجھے گالی دیتے ہو صدر الافاضل نے فرمایا میرا مدعا ثابت ہو گیا تو خود اسے گالی تسلیم کرتا ہے تو معلوم ہوا کہ منہ بولا بیٹا حقیقت میں بیٹا نہیں ہوتا۔ پنڈت کہنے لگا پہلے تمہارا مولوی چلا گیا تھا اب میں چلتا ہوں۔

رامچندر نامی پنڈت سے بریلی شریف میں گفتگو ہوئی تو اس نے کہا آپ مجھ سے کیا بحث کریں گے مجھے آپ کی کتاب قرآن پاک کے پندرہ پارے یاد ہیں۔ آپ میرے وید کے صرف پندرہ ورق سنا دیجئے حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمہ نے فرمایا پنڈت جی یہ تو میری کتاب کا اعجاز ہے کہ دشمن کے سینے میں بھی اتر گئی ہے تمہاری کتاب کا یہ حال ہے کہ خود تمہیں اس کے پندرہ ورق بھی یاد نہیں ہیں اس سے قرآن پاک کی صداقت کا پتا چلتا ہے اس پر پنڈت جی بڑے خفیف ہوئے اور جلسہ برخاست کر دیا۔

متھرا اور آگرہ کے نواح میں شردانند نے جب فتنہ ارتداد شروع کیا تو حضرت صدر الافاضل نے اسے مناظرہ کی دعوت دی جسے اس نے قبول کر لیئے آپ دہلی پہنچے تو وہ بریلی جا پہنچا بریلی سے لکھنؤ پٹنہ اور پھر کلکتہ جا پہنچا حضرت بھی

اس کا تعاقب کرتے ہوئے کلکتہ جا پہنچے تو اس نے مناظرہ کرنے سے صاف انکار کر دیا غرض جس وقت جس جگہ کسی مخالف نے دعوت مبارزت دی حضرت صدر الافاضل فورا" تشریف لے گئے مد مقابل اول تو سامنے آنے کی جرات ہی نہ کر سکا اور اگر سامنے آیا بھی تو اسے جلد ہی ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا۔

فن خطابت میں کامل دستگاہ حاصل تھی اشعار تحت اللفظ پڑھتے تھے مگر گفتگو اتنی پر اثر ہوتی کہ مخالفین کو بھی اعتراف فضیلت کرنا پڑتا حق بیان کرنے میں کسی کی خاطر میں نہ لاتے 1354ھ میں جب سفر حج کیا تو مدینہ طیبہ کے قیام کے دوران ملاخطہ فرمایا کہ جب کوئی عقیدت مند جالی شریف کو بوسہ دینے لگتا تو نجدی سپاہی مرد کا ہاتھ پکڑ کر کھینچ لیتے اور عورت کے سینہ پر ہاتھ مار کر پیچھے دھکیل دیتے حضرت نے فورا" نجدی سپاہیوں کو ڈانٹا اور عربی زبان میں فرمایا اول تو نامحرم عورت کو ہاتھ لگانا ویسے ہی ناجائز ہے اور پھر دربار رسول علیہ الصلوۃ والسلام میں اور بھی سخت ناجائز ہے انہوں نے کہا کہ ہم نے بقصد شہوت ہاتھ نہیں لگایا حضرت نے فرمایا اس میں شہوت یا بغیر شہوت کی قید نہیں ہے سپاہی آپ کا تیور دیکھ کر گھبرا گئے چنانچہ قاضی شہر اور کوتوال کو بلا لیا حضرت نے قاضی سے ایسی مدلل گفتگو فرمائی کہ اسے تسلیم کرنا پڑا کہ یہ فعل غلطی پر مبنی ہے۔

علوم دینیہ کی تدریس میں آپ یکتائے روزگار تھے۔ حدیث شریف پڑھاتے' تو یوں محسوس ہوتا کہ اپنے دور کے ابن حجر اور ابن ہمام یہی ہیں۔ معقولات کا درس ہوتا تو امام رازی اور مولانا فضل حق خیر آبادی کا پر تو معلوم ہوتے' فقہی مسائل حل کرتے تو امام ابو حنیفہ کے تلمیذ دکھائی دیتے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے بعد سب سے زیادہ استفتاء آپ کے پاس آتے' جن کے شافی جوابات بھجوائے جاتے' جسمانی اور روحانی مریض حاضر ہوتے اور خوش خوش واپس لوٹتے ہیات میں کامل دسترس رکھتے تھے۔ آپ کے تیار کرائے ہوئے فلکی کرے دیکھ کر ماہرین ریاضی آپ کی جلالت علمی کو ماننے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

1328ھ میں آپ نے مراد آباد میں مدرسہ انجمن اہل سنت و جماعت کی بنیاد رکھی، جس میں معقول و منقول کی تعلیم کا اعلیٰ پیمانے پر انتظام کیا گیا۔ 1352ھ میں حضرت صدر الافاضل کی نسبت سے اس کا نام جامعہ نعیمیہ رکھا گیا۔ حضرت صدر الافاضل اس مدرسہ میں حدیث شریف کے علاوہ دیگر درسی کتب کا بھی درس دیتے تھے۔ جلد ہی یہ مدرسہ پورے برصغیر میں عظیم الشان دینی یونیورسٹی کی حیثیت اختیار کر گیا، جہاں سے متحدہ ہندوستان (پاک و ہند) کے علاوہ غیر ممالک کے اہل علم بھی فیض یاب ہوئے۔ آج پاک و ہند کے اکثر مدارس وہ ہیں، جہاں بالواسطہ یا بلاواسطہ آپ کے فیض یافتہ حضرات گرانقدر دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

حضرت صدر الافاضل قدس رہ کے پاکستان میں چند مشہور تلامذہ کے نام یہ ہیں۔

علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری رحمتہ اللہ تعالیٰ، علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری رحمتہ اللہ تعالیٰ، تاج العلماء، مفتی محمد نعیم رحمتہ اللہ تعالیٰ، حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمتہ اللہ تعالیٰ، پیر محمد کرم شاہ الازہری مدیر ماہنامہ ضیائے حرم، مولانا مفتی محمد نوراللہ نعیمی مہتمم مدرسہ حنفیہ فریدیہ، بصیر پور، مولانا مفتی محمد حسین نعیمی مہتمم جامعہ نعیمیہ، لاہور، مولانا مفتی محمد امین الدین رحمتہ اللہ تعالیٰ (کامونکی) مولانا مفتی غلام معین الدین نعیمی رحمتہ اللہ تعالیٰ، مدیر سواد اعظم لاہور، مولانا غلام فخرالدین گانگوی شیخ الحدیث جامعہ شمس العلوم، میانوالی وغیرہ ہم۔

حضرت صدر الافاضل رحمہ اللہ تعالیٰ کی قابل قدر دینی خدمات زریں حروف میں لکھنے کے قابل ہیں۔ انہوں نے صرف محراب و منبر اور مسند تدریس ہی کو زینت نہ بخشی، بلکہ وقت آیا تو میدان میں آکر اہل باطل کی سازشوں کے تار و پور بکھیر کر رکھ دیئے۔ 1920ء میں جب سلطنت ترکی کے تحفظ اور حمایت کے لئے خلافت کمیٹی قائم کی گئی تو ہندوؤں کے ساتھ مل کر جدوجہد شروع کی تاکہ

ترکی کے مقبوضات واپس دلائے جائیں۔ ہنود کے ساتھ راہ و رسم اس حد تک پہنچ گئی کہ ہندو مقتدا اور مسلمانوں کے لیڈر مقتدی بن گئے۔ ہندوؤں کی خوشنودی کی خاطر اسلامی شعائر ترک کر دیئے گئے اور شعائر کفر اپنانے میں کوئی باک نہ رہا۔ اس نازک موقع پر صدر الافاضل نے مسلمانوں کی بروقت رہنمائی فرمائی اور واشگاف الفاظ میں فرمایا جہاں تک اہل اسلام کی امداد و اعانت کا تعلق ہے' اس کے فرض ہونے میں کچھ شک نہیں۔ حضرت صدر الافاضل رحمہ اللہ تعالیٰ کے الفاظ ملاحظہ ہوں' ایک ایک لفظ سے کس قدر درد و کرب کا اظہار ہو رہا ہے' فرماتے ہیں:

> "سلطان اسلامیہ کی تباہی و بربادی اور مقامات مقدسہ' بلکہ مقبوضات اسلام کا مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل جانا" ہر مسلمان کو اپنی اور اپنے خاندان کی تباہی و بربادی سے زیادہ اور بدرجہا زیادہ شاق اور گراں ہے اور اس صدمہ کا جس قدر بھی درد ہو کم ہے۔ سلطنت اسلامیہ کی اعانت و حمایت خادم الحرمین کی مدد و نصرت مسلمانوں پر فرض ہے۔"

(حیات صدر الافاضل' ص 99)

لیکن یہ کسی طرح جائز نہیں کہ ہندوؤں کو مقتدا بنایا جائے' ان کی رضامندی کے لئے شعائر کفر اپنا لئے جائیں اور ترکی کی حمایت کے لئے اپنے دین و ایمان کو خیرباد کہہ دیا جائے فرماتے ہیں:

> "اگر اتنا ہی ہوتا کہ مسلمان مطالبہ کرتے اور ہندو ان کے ساتھ متفق ہو کر بجا ہے' درست ہے' پکارتے' مسلمان آگے ہوتے اور ہندو ان کے ساتھ ہو کر ان کی موافقت کرتے تو بیجا نہ تھا' لیکن واقعہ یہ ہے کہ ہندو امام بنے ہوئے آگے آگے ہیں۔ کہیں ہندوؤں کی خاطر سے قربانی اور گائے کا ذبیحہ ترک کرنے کی تجاویز پاس ہوتی ہیں' ان پر عمل کرنے کی

صورتیں سوچی جاتی ہیں۔ اسلامی شعائر مٹانے کی کوششیں
عمل میں لائی جاتی ہیں' کہیں پیشانی پر قشقہ کھینچ کر کفر کا شعار
(ٹریڈ مارک) نمایاں کیا جاتا ہے۔ کہیں بتوں پر پھول اور
پوڑیاں چڑھا کر توحید کی دولت برباد کی جاتی ہے' معاذ اللہ!
کروڑ سلطنتیں ہوں تو دین پر فدا کی جائیں' مذہب کسی سلطنت
کی طمع میں برباد نہیں کیا جا سکتا' مولانا سید سلیمان اشرف
صاحب نے بہت خوب فرمایا کہ لعنت ہے اس سلطنت پر جو
دین بیچ کر حاصل کی جائے۔"

یہ وہ دور تھا جب کانگریس کا طوطی بول رہا تھا اور کانگریس کے بڑے بڑے لیڈر گاندھی کی چالوں کا شکار ہو چکے تھے' اس موقعہ پر حضرت صدر الافاضل رحمتہ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف ترکی کے مسلمانوں کی امداد و اعانت کے طریقے بتائے' بلکہ ہندو. مسلم اتحاد کے خطرناک نتائج وضاحت سے بیان کر کے دو قومی نظریہ کا بھرپور پرچار کیا۔ اس وقت اگرچہ دیگر علمائے اہل سنت کی طرح آپ پر بھی طعن و تشنیع کے تیر برسائے گئے' لیکن آج ہر صاحب انصاف تسلیم کرتا ہے کہ حضرت صدر الافاضل کی دور رس نگاہوں نے جو فیصلہ صادر کیا تھا' یقیناً "حقیقت پر مبنی تھا۔

25-1924ء میں ہندوؤں نے شدھی تحریک چلائی' جس کا مقصد یہ تھا کہ مذہبی تبلیغ تیز کر کے مسلمانوں کو مرتد کیا جائے یا ان کا قتل عام کیا جائے۔ حضرت صدر الافاضل ایسا بیدار مغز اور حساس انسان کس طرح خاموش بیٹھ سکتا تھا۔ چنانچہ بریلی شریف میں جماعت رضائے مصطفےٰ قائم کی گئی' جس کے تحت آپ نے دیگر علمائے اہل سنت کی رفاقت میں فتنہ ارتداد کے سدباب کے لئے تمام تر کوششیں صرف کر دیں۔ آگرہ' متھرا' بھرتپور' گوڑ گانواں' گوبندگڑھ' حوالی' اجمیر' جے پور اور کشن گڑھ تک طوفانی دورے کئے اور آگرہ میں ہیڈ کوارٹر قائم کر کے ایک مدت تک وہاں قیام کیا اور مسلسل تبلیغی وفود بھیجے۔ بالآخر اللہ

تعالیٰ کے فضل و کرم سے شردھانند کا شر ختم ہوا' ہزاروں مرتد داخل اسلام ہوئے اور لاکھوں مسلمان آریوں کے چنگل سے بچ گئے۔

ہندو آئے دن مسلمانوں کو دین اسلام سے برگشتہ کرنے کے لئے سازشیں کرتے رہتے تھے' اس لئے حضرت صدر الافاضل نے مسلمانوں کے دین و مذہب کے تحفظ کی خاطر ملک بھر کے اکابر علماء و مشائخ کو مراد آباد مدعو کیا' چار روز کے غور و فکر کے بعد آل انڈیا سنی کانفرنس کی بنیاد ڈالی گئی' بالاتفاق آپ کو ناظم اعلیٰ اور امیر ملت حضرت پیر سید حافظ جماعت علی شاہ محدث علی پوری قدس سرہ' کو صدر منتخب کیا گیا۔ حضرت صدر الافاضل قدس سرہ نے سنی علماء و مشائخ کو ایک پلیٹ فارم پر متحدہ کرنے اور مخالفین اسلام کی ریشہ دوانیوں کے استیصال کے لئے ملک کے گوشہ گوشہ میں سنی کانفرنسیں قائم کیں اور شبانہ روز جدوجہد شروع کر دیں۔

1343ھ 1924ء میں آپ کی سرپرستی میں مراد آباد سے ماہنامہ السواد الاعظم جاری ہوا جس میں دینی اور تبلیغی مضامین کے علاوہ مسلمانوں کے انفرادی تشخص کو نمایاں کرنے کے لئے وقیع مضامین شائع ہوا کرتے تھے۔ سواد اعظم اہل سنت و جماعت اور دو قومی نظریہ کا یہ نقیب جریدہ ربع صدی تک بڑی شان و شوکت سے شائع ہوتا رہا اور مسلمانوں کی بروقت رہنمائی کا فریضہ بحسن و خوبی انجام دیتا رہا۔

1940ء میں لاہور میں مسلم لیگ کا اجلاس ہوا' جس میں قائد اعظم اور دیگر زعمائے مسلم لیگ نے مطالبہ پاکستان کی قرار داد پاس کی' تو علمائے اہل سنت نے اس مطالبے کی پرزور تائید کی۔ حضرت صدر الافاضل نے آل انڈیا سنی کانفرنس کے تحت متحدہ ہندوستان (پاک و ہند) کے کونے کونے میں علماء اہل سنت کی معیت میں نظریہ پاکستان کی اہمیت واضح کی۔ صوبہ جات مدراس' گجرات' کاٹھیاواڑ' جوناگڑھ' راجپوتانہ' دہلی' یوپی' پنجاب' بہار' غیر منقسم بنگال میں کلکتہ' ہگلی' چوبیس پرگنہ' ڈھاکہ' کرنافلی' چاٹگام' سلہٹ وغیرہ کے مسلسل دورے کئے

دورے کئے اور قیام پاکستان کے لئے فضا ہموار کی۔ تحریک پاکستان کے ساتھ آپ کے گہرے لگاؤ کا اندازہ کرنا ہو تو حضرت مولانا ابوالحسنات قادری رحمہ اللہ تعالیٰ کے نام ایک مکتوب کا اقتباس ملاحظہ ہو' فرماتے ہیں:

"پاکستان" کی تجویز سے "جمہوریت اسلامیہ" (آل انڈیا سنی کانفرنس کا دوسرا نام) کو کسی طرح دستبردار ہونا منظور نہیں' خود جناح اس کے حامی رہیں یا نہ رہیں۔" (حیات صدر الافاضل' ص 186)

مطالبہ پاکستان کے موثر اور مقبول عام بنانے کے لئے آل انڈیا سنی کنفرنس کا فقید المثال اجلاس 24 تا 27 جمادی الاولیٰ مطابق 27 تا 30 اپریل۔ (1365ھ 1946ء) بنارس میں منعقد ہوا' جس میں کل متحدہ ہندوستان کے تقریباً" پانچ ہزار جلیل القدر علماء و مشائخ شریک ہوئے۔ عوام کی تعداد تقریباً" ڈیڑھ لاکھ تھی۔ ایسا عظیم الشان اجلاس آج تک کہیں منعقد نہ ہو سکا۔ اس اجلاس میں بالاتفاق درج ذیل قرارداد منظور کی گئی:

"آل انڈیا سنی کانفرنس کا یہ اجلاس مطالبہ پاکستان کی پر زور حمایت کرتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ علماء و مشائخ اہل سنت' اسلامی حکومت کے قیام کی تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے ہر امکانی قربانی کے واسطے تیار ہیں اور یہ اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ ایک ایسی حکومت قائم کریں جو قرآن کریم اور حدیث نبوی کی روشنی میں فقہی اصول کے مطابق ہو۔"

(حیات صدر الافاضل' ص 189'190)

اس اجلاس نے تحریک پاکستان کو زبردست تقویت پہنچائی اور نظریہ پاکستان کی مقبولیت میں بے پناہ اضافہ ہوا۔ بلاشبہ اس اجلاس کو قیام پاکستان کے لئے سنگ میل کہا جاتا ہے اور حضرت صدر الافاضل جو اس اجلاس کے عظیم رکن تھے' کو بانیان پاکستان کی صف میں شمار کرنے میں تامل نہیں ہو سکتا۔

قیام پاکستان کے بعد 1947ء میں حضرت صدر الافاضل' حضرت سید محمد محدث کچھو چھوی' تاج العلماء مولانا محمد عمر نعیمی اور مولانا مفتی غلام معین الدین نعیمی (رحمہم اللہ تعالیٰ) بذریعہ ہوائی جہاز دہلی سے لاہور پہنچے اور مقامی علماء و زعماء سے پاکستان کے اسلامی دستور کے بارے میں گفتگو کی۔ بعد ازاں کراچی تشریف لے گئے اور اسی موضوع پر مقامی علماء و زعماء سے بات چیت کی۔ بالآخر طے پایا کہ حضرت صدر الافاضل اسلامی دستور کا خاکہ مرتب فرمائیں' ہم اسے پاکستان کی اسمبلی میں منظور کرائیں گے۔ حضرت صدر الافاضل نے وعدہ فرمایا کہ میں مراد آباد جاکر اسلامی دستور کا خاکہ مرتب کرکے بھیج دوں گا' مگر قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا' کراچی میں ہی آپ سخت علیل ہوگئے۔ چنانچہ آپ مختصر قیام کے بعد لاہور سے ہوتے ہوئے مراد آباد تشریف لے گئے اور علالت کے باوجود دستور اسلامی کی چند دفعات ہی مرتب فرماسکتے تھے کہ پیام اجل آگیا۔

حضرت صدر الافاضل نے بے پناہ دینی و ملی مصروفیات کے باوجود تصنیف و تالیف کا بڑا ذخیرہ یادگار چھوڑا۔ آپ کی مقبول عام تصانیف کے نام یہ ہیں۔

-1 تفسیر خزائن العرفان' اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ کے ترجمہ قرآن پاک کنز الایمان پر قابل قدر حاشیہ۔
-2 اطیب البیان رد تقویۃ الایمان۔
-3 الکلمتہ العلیا' (مسئلہ علم غیب میں محققانہ تصنیف)
-4 سیرت صحابہ (وسیلہ جلیلہ)
-5 سوانح کربلا (اردو) اس کا ترجمہ گجراتی زبان میں بھی ہو چکا ہے۔
-6 التحقیقات لدفع التلبیسات (المہند کارد)
-7 کتاب العقائد
-8 زاد الحرمین: حج و زیارت کے مسائل
-9 آداب الاخیار۔

10- کشف الحجاب: ایصال ثواب کے موضوع پر' (اس کا ترجمہ سندھی زبان میں بھی ہو چکا ہے۔

11- اسواط العذاب' وغیرہ وغیرہ۔

صدر الافاضل بدر الاماثل تحریک پاکستان کے عظیم رہنما حضرات مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی قدس سرہ العزیز بروز جمعتہ المبارک 18 ذی الحجہ' 23 اکتوبر (1367ھ 1947ء) رات کے بارہ بج کر پچیس منٹ پر دار فانی سے سوئے فردوس روانہ ہوئے اور دنیائے سنیت کو عظیم صدمے سے دو چار کر گئے۔ آپ کی آخری آرام گاہ جامعہ نعیمیہ مراد آباد کی مسجد کے بائیں گوشہ میں بنائی گئی۔

پروفیسر حامد حسین قادری رحمہ اللہ تعالیٰ نے تاریخ وصال کہی۔

سب بے سرو پا ہوگئے ایسا تھا مولانا کا غم
اے قادری خستہ جگر' تاریخ رحلت کر رقم
فضل و سخا' رشد و ہدیٰ' حلم و حیا عدل و کرم
ہیں رونما اب دردو غم' قہر و جفا رنج و ستم

* @ * @ *

صدر الشریعہ

مولانا شاہ محمد امجد علی اعظمی قدس سرہ العزیز

نام و نسب و تحصیل علوم

مصنف بہار شریعت صدر شریعت' بدر طریقت' حضرت مولانا شاہ' محمد امجد علی اعظمی ابن حکیم مولانا جمال الدین ابن مولانا خدا بخش ابن مولانا خیر الدین (قدست اسرارہم) 1296ھ 9-1878ء میں قصبہ گھوسی محلہ کریم الدین ضلع اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے۔ (غلام مہر علی' مولانا : الیواقیت المہریہ' ص 79)

آپ کے والد ماجد اور جد امجد علم و فضل اور فن طب میں یکتائے روزگار تھے۔ ابتدائی کتب جد امجد سے پڑھیں' بعد ازاں اپنے بڑے بھائی مولانا محمد صدیق رحمہ اللہ تعالیٰ (بانی دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور و تلمیذ مولانا ہدایت اللہ جونپوری) سے علوم و فنون کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ پھر انہی کے مشورے سے استاذالکل مولانا ہدایت اللہ خان رامپوری ثم جونپوری رحمتہ اللہ

تعالیٰ (یکم رمضان المبارک 1326ھ 1908ء) تمیذ خاتم الحکمائ اسیر جزائر انڈمن مولانا شاہ محمد فضل حق خیر آبادی سے اکتساب فیض کیلئے مدرسہ حنفیہ جونپور میں داخل ہوئے۔ (محمود احمد قادری' مولانا شاہ :تذکرہ علمائے اہل سنت (مطبوعہ بھوانی پور بہار' 1391ھ) ص 51-52) رات کو خدمت گزاری کے لئے حاضر ہوتے' تو استاد محترم تمام اسباق کا اعادہ کرا دیتے اور اگر کوئی فروگزاشت ہو جاتی' تو اس کا ازالہ فرمادیتے۔ یہی وجہ تھی کہ دور طالب علمی میں افہام و تفہیم کا ملکہ اتنا راسخ ہوگیا تھا کہ اگر قطبی پڑھتے۔ تو شرح تہذیب دوسرے طلباء کو باآسانی پڑھاتے تھے۔ (ماہنامہ پاسبان الٰہ آباد (امام احمد رضا نمبر' مارچ و اپریل 1962ء) ص 64

علوم و فنون کی تکمیل کے بعد حجتہ العصر' شیخ المحدثین مولانا شاہ وصی احمد محدث سورتی قدس سرہ (م 1334ھ 1916ء) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مدرستہ الحدیث (پیلی بھیت) میں درس حدیث لیا اور 1320ھ 1902ء میں سند حاصل کی۔ بعد ازاں 1323ھ میں حکیم عبدالولی جھوائی ٹولہ' لکھنؤ سورتی کے مدرسہ میں درس دیا۔ اس کے بعد ایک سال تک پٹنہ میں مطب کرتے رہے۔

بارگاہ رضا میں حاضری

اس اثناء میں اعلیٰ حضرات امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کو مدرسہ منظر اسلام' بریلی میں مدرس کی ضرورت پیش آئی۔ حضرت مولانا وصی احمد محدث سورتی رحمتہ اللہ تعالیٰ نے مولانا محمد امجد علی اعظمی کا نام پیش کیا' جسے اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہ نے بہت پسند فرمایا' چنانچہ آپ استاد محترم محدث سورتی رحمتہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق پٹنہ کا مطب چھوڑ کر بریلی شریف آگئے۔ ابتداء تدریس کا کام شروع کیا' بعد ازاں مطبع اہل سنت کا انتظام بھی آپ کے سپرد کر دیا گیا۔ فتویٰ نویسی کا کام اس کے علاوہ تھا۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا

بریلوی قدس سرہ کی عشق رسالت اور اتباع شریعت سے معمور زندگی سے اس قدر متاثر ہوئے کہ سلسلہ عالیہ قادریہ میں داخل ہوئے اور بہت جلد خلافت سے نوازے گئے۔ اگرچہ آپ نے اعلیٰ حضرت قدس سرہ' سے کوئی کتاب سبقاً" نہیں پڑھی تھی' لیکن فرماتے تھے کہ جو کچھ ہے' سب آپ ہی کا فیض کرم ہے۔ قریبا" اٹھارہ برس شیخ کامل کے فیوض و برکات سے مستفید ہوئے۔ مرشد شریعت و طریقت کی نگاہ کیمیا اثر نے آپ کو جامع فضل و کمال بنادیا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز بھی آپ پر بےحد شفقت فرماتے تھے اور فتاویٰ کے سلسلے میں آپ پر حد درجہ اعتماد فرماتے تھے۔ ایک موقع پر ارشاد فرمایا:

> "آپ کے یہاں موجودین میں تفقہ جس کا نام ہے وہ مولوی امجد علی صاحب میں زیادہ پایئے گا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ استفتاء سنایا کرتے ہیں اور جو میں جواب دیتا ہوں لکھتے ہیں۔ طبیعت اخاذ ہے' طرز سے واقفیت ہو چلی ہے"۔
> (محمد مصطفےٰ رضا' مفتی اعظم ہند: ملفوظات حصہ اول (مطبوعہ کراچی) ص 93)

تلامذہ اور خلفاء کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

میرا امجد' مجد کا پکا
اس سے بہت کچھاتے یہ ہیں

(احمد رضا بریلوی' اعلیٰ حضرت' مولانا: الاستمداد (مطبوعہ لاہور) ص 79)

ناقابل فراموش کارنامہ

اعلیٰ حضرت مجدد دین و ملت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ کا ترجمہ قرآن مجید مسمّٰی بہ اسم تاریخی کنزالایمان فی ترجمتہ القرآن 1330ھ (1911ء) افادیت' اہمیت اور دیگر تراجم پر فوقیت کے اعتبار سے محتاج بیان

نہیں۔ صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی قدس سرہ کی مساعی جمیلہ سے معرض وجود میں آیا۔ امام احمد رضا بریلوی کو خود قرآن پاک کے ترجمہ کی ضرورت کا احساس تھا' لیکن تصنیف و تالیف اور دیگر علمی مصروفیات کے بے پناہ ہجوم کی وجہ سے اس کام میں تاخیر ہوتی رہی۔ آخر ایک دن صدر الشریعہ' قلم' دوات اور کاغذ لے کر حاضر ہوگئے اور ترجمہ شروع کرنے کی درخواست کی۔ اعلیٰ حضرت نے اسی وقت ترجمہ شروع کر دیا۔ پہلے پہل ایک آیت کا ترجمہ ہوتا' پھر محسوس کرکے کہ اس طرح تکمیل میں بہت دیر لگ جائے گی' ایک ایک رکوع کا ترجمہ ہونے لگا' اس کے ساتھ ساتھ حضرت صدر الشریعہ اور دیگر علماء مستند تفاسیر کے ساتھ ترجمہ کی مطابقت تلاش کرتے۔ انہیں یہ دیکھ کر حیرت ہوتی کہ اعلیٰ حضرت جو ترجمہ تیاری اور مطالعہ کے بغیر لکھاتے ہیں' اکثر تفاسیر کے مطابق ہوتا ہے' اس سلسلے میں حضرت صدر الشریعہ بعض اوقات رات کے دو دو بجے تک مصروف رہتے۔ (رضائے مصطفےٰ صدر الشریعہ نمبر' شمارہ 2 ذیقعدہ 1379ھ ص 3)

آپ نے طویل عرصہ تک مدرسہ منظر اسلام' بریلی شریف میں تدریس کے فرائض انجام دیئے۔ 1343ھ 1924ء میں حضرت مولانا سید سلیمان اشرف صدر شعبہ دینیات مسلم یونورسٹی علی گڑھ' دارالعلوم معینیہ عثمانیہ (اجمیر شریف) کی صدارت کے لئے میر نثار احمد مرحوم متولی و مہتمم کا دعوت نامہ لے کر پہنچے لیکن آپ نے یہ کہہ کر معذرت کر دی کہ میں شیخ کا آستانہ اور مدرسہ چھوڑ کر نہیں جاسکتا۔ انہوں نے حجتہ الاسلام مولانا حامد رضا خاں بریلوی قدس سرہ کی طرف رجوع کیا۔ ان کی طرف سے اجازت ملنے پر آپ اجمیر شریف چلے گئے اور پوری جانفشانی اور محنت سے کام کیا۔ یہیں آپ نے وہ یگانہ روز گار افاضل تیار کیے' جن میں سے ہر ایک آسمان علم و فضل پر نیر تاباں بن کر چمکا۔ 1351ھ 1932ء میں میر نثار احمد مرحوم متولی سے بعض امور پر اختلاف کی وجہ سے علماء کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ بریلی شریف چلے گئے۔ (محمود احمد قادری' مولانا: تذکرہ علمائے اہل سنت' ص 52) اور تین سال تک منظر اسلام'

بریلی شریف میں درس دیا۔ (غلام مہر علی' مولانا: الیواقیت المہریہ ص 80) بعد ازاں نواب حاجی غلام محمد خان شروانی رئیس ریاست داروں (علی گڑھ متوفی 14 ربیع الاول (1362ھ 1943ء) کی دعوت پر بہ حیثیت صدر مدرس دارالعلوم حافظیہ سعیدیہ (قائم کردہ نواب ابوبکر رحمہ اللہ تعالیٰ' متوفی 14 رمضان المبارک 1354ھ 1935ء میں تشریف لے گئے اور سات سال تک بکمال حسن و خوبی تدریس کے فرائض انجام دیئے۔ مولانا حبیب الرحمٰن شروانی نے 1356ھ 1937ء میں مدرسہ کے سالانہ جلسہ امتحان کے موقعہ پر تقریر کرتے ہوئے آپ کے فضل و کمال کا اعتراف ان الفاظ میں کیا:

> "مولانا امجد علی پورے ملک میں ان چار پانچ مدرسین میں سے ایک ہیں' جنہیں میں منتخب جانتا ہوں" (محمود احمد قادری' مولانا: تذکرہ علمائے اہل سنت' ص53)

14 رجب المرجب 24 مارچ (1339ھ 1921ء) کو بریلی میں جمعیتہ العلماء ہند کا اجلاس منعقد ہوا' جس میں ابوالکلام آزاد کے علاوہ دوسرے لیڈر بھی شریک ہوئے۔ جمعیت کے لیڈر اس جوش و خروش سے آئے تھے کہ گویا "ہندو مسلم اتحاد" کے مخالف علماء اہل سنت کو لاجواب کر دیں گے۔ مولانا محمد امجد علی نے جماعت رضائے مصطفےٰ (بریلی) کے شعبہ علمیہ کے صدر کی حیثیت سے اراکین جمعیت کے ہندوؤں سے اتحاد و وداد کے بارے میں ستر سوالات پر مشتمل سوالنامہ (سوالنامہ "اتمام حجت تامہ" (1339ھ) کے نام سے چھپ چکا ہے' ملاحظہ ہو: دوامغ الحمیر: مطبعہ مطلع حسنی' بریلی' ص 40-46) مرتب کرکے قائدین جمعیت کو بھجوایا' بار بار اصرار اور مطالبہ کے باوجود انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔

صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مرادی آبادی نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی (قدس سرہما) کے نام ایک مکتوب میں اس سوالنامہ کے بارے میں اس طرح اظہار خیال فرمایا ہے:

"سیدی' دامت برکاتہم سلام نیاز کے بعد گزارش' حضور سے رخصت ہو کر مکان پہنچا' یہاں آکر میں نے تمام حجت تامہ کا مطالعہ کیا' فی الواقع یہ سوالات فیصلہ ناطقہ ہیں اور یقیناً ان سوالات نے مخالف کو مجال گفتگو اور راہ جواب باقی نہیں چھوڑی ہے۔" (دوامع الحمید : مکتوب صدر الافاضل' ص 54-55)

ابوالکلام آزاد نے روانگی کے وقت بریلی کے اسٹیشن پر کہا:

"ان کے جس قدر اعتراضات ہیں' حقیقت میں سب درست ہیں' ایسی غلطیاں کیوں کی جاتی ہیں؟ جن کا جواب نہ ہو سکے اور ان کو اس طرح گرفت کا موقع ملے۔" (ایضاً" ص 56-57)

بہار شریعت

صدر الشریعہ کی شہرہ آفاق تصنیف بہار شریعت ہے۔ یہ کتاب حنفی فقہ کا دائرۃ المعارف (انسائیکلوپیڈیا) ہے' اس کے سترہ حصے طبع ہو کر قبولیت عامہ کی سند حاصل کر چکے ہیں۔ اس کتاب نے نہ صرف عوام' بلکہ علماء کے لئے بھی سہولت پیدا کر دی ہے۔ مولانا مفتی صاحبزادو رحمتہ اللہ تعالیٰ اپنے فتاویٰ میں دیگر ماخذ کے ساتھ بہار شریعت کا حوالہ بھی دیا کرتے تھے' اس سے ایک تو ماخذ کی نشاندہی ہو جاتی' دوسرا اس کے مستند ہونے کا اظہار بھی ہو جاتا۔ اس کی ابتداء غالباً 1334ھ 1016ء میں ہوئی اور 1362ھ 1943ء میں تکمیل ہوئی۔ (ماہنامہ پاسبان' الہ آباد (امام احمد رضا نمبر) ص 29-71) باوجودیکہ صدر الشریعہ کا شہب قلم سریع السیر تھا۔ لیکن کثرت کار کی وجہ سے اتنی تاخیر ہوئی' چنانچہ فرماتے ہیں:

"اس کتاب کی تصنیف میں موما" یہی ہوا کہ ماہ رمضان

المبارک کی تعطیل میں جو کچھ دوسرے کاموں سے وقت بچتا' اس میں کچھ لکھا لیا جاتا۔ (محمد امجد علی اعظمی' صدر الشریعہ: بہار شریعت' جلد 17' ص 100)

حضرت صدر الشریعہ چاہتے تھے کہ اس کتاب کے مزید تین حصے لکھ کر اسے مکمل کر دیتے۔ اس عزم کا اظہار یوں فرماتے ہیں:

"ابھی اس کا آخری تھوڑا سا حصہ باقی رہ گیا ہے جو زیادہ سے زیادہ تین حصوں پر مشتمل ہوتا۔ اگر توفیق الٰہی سعادت کرتی اور یہ بقیہ مضامین بھی تحریر میں آجاتے' تو فقہ کے جمیع ابواب پر' یہ کتاب مشتمل ہوتی اور کتاب مکمل ہو جاتی۔" (ایضاً: ص 2-101)

لیکن ہجوم حوادث تکمیل کی راہ میں حائل ہوا اور آپ کی یہ مبارک آرزو پوری نہ ہو سکی' ذرا آپ بھی درد والم کی داستان سنئے' جس کا تصور ہی دل حساس کو لرزا دیتا ہے' فرماتے ہیں:

7 شعبان المعظم (1357ھ 1939ء) کو میری ایک جوان لڑکی کا انتقال ہوا اور 25 ربیع الاول (1359ھ 1940ء) کو میرے منجھلے لڑکے مولوی محمد یحییٰ کا انتقال ہوا۔ شب دہم رمضان المبارک (1359ھ 1940ء) کو بڑے لڑکے مولوی حکیم شمس الہدیٰ نے رحلت کی۔ 20 رمضان المبارک (1362ھ 1943ء) کو میرا چوتھا لڑکا عطاء المصطفیٰ مرحوم کا دادوں (ہاع علی گڑھ) میں انتقال ہوا اور اسی دوران میں مولوی شمس الہدیٰ مرحوم کی تین جوان لڑکیوں کا اور ان کی اہلیہ کا اور مولوی محمد یحییٰ مرحوم کے ایک لڑکے کا اور مولوی عطاء المصطفیٰ مرحوم کی اہلیہ اور بچی کا انتقال ہوا۔" (محمد امجد علی اعظمی' صدر الشریعہ: بہار شریعت جلد 17' ص 101

چار سال میں گیارہ عزیزوں کی جدائی نے دل و دماغ میں اس قدر گہرا اثر ڈالا کہ بینائی زائل ہوگئی اور نہ صرف بہار شریعت کی تالیف کا کام رک گیا بلکہ بہار شریعت کے انداز پر مسائل تصوف پر مشتمل کتاب (جو کہ ابھی زیر تجویز تھی) کا آغاز بھی نہ ہو سکا۔ حضرت صدر الشریعہ فرماتے ہیں۔

"اپنا ارادہ تو یہ تھا کہ اس کتاب (بہار شریعت) کی تکمیل کے بعد اسی نہج پر ایک دوسری اور کتاب بھی لکھی جائے گی جو تصوف اور سلوک کے مسائل پر مشتمل ہوگی' جس کا اظہار اس سے پیشتر نہیں کیا گیا تھا' ہوتا وہی ہے جو خدا چاہتا ہے۔"
(ایضاً" :ص 101)

بہار شریعت کا دوسرا حصہ پہلے لکھا گیا۔ بعد ازاں عقائد ضروریہ پر مشتمل پہلا حصہ لکھا گیا' اس کے ابتدائی چھ حصے اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا بریلوی نے حرف بحرف سنے' جابجا اصلاح فرمائی اور ان حصوں کو تقریظ سے مزین فرمایا۔ تقریظ کے درج ذیل الفاظ لائق تحسین و مطالعہ ہیں:

"فقیر غفرلہ المولی القدیر نے مسائل طہارت میں یہ مبارک رسالہ "بہار شریعت" تصنیف لطیف اخی فی اللہ' ذی المجد والجاہ' و الطبع السلیم والفکر القویم' و الفضل و العلی' مولانا ابوالعلی مولوی حکیم محمد امجد علی قادری برکاتی' اعظمی (اعظمی کی تفسیر یہ ہے کہ صدر الشریعہ' امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب اور حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشرب پر تھے اور نسبت سکونت اعظم گڑھ کی طرف رکھتے تھے۔ اعظم گڑھ کی نسبت سے اپنے آپ کو اعظمی کہنے کے موجد صدر الشریعہ تھے' ورنہ آپ سے پہلے لوگ اعظم گڑھی لکھا کرتے۔ (ماہنامہ پاسبان' امام احمد رضا نمبر' ص 71)

الحمد اللہ! مسائل صحیحہ رجیحہ' محققہ منقحہ پر مشتمل پایا۔ آج کل ایسی کتاب کی ضرورت تھی کہ عوام بھائی' سلیس اردو میں صحیح مسئلے پائیں اور گمراہی و اغلاط کے

مصنوع ملمع زیوروں کی طرف آنکھ نہ اٹھائیں۔

کتب فقہ میں بہار شریعت کی امتیازی خصوصیات یہ ہے کہ ہر باب کی ابتداء میں پہلے آیات مبارکہ سے مسائل کو بیان کیا گیا ہے۔ اس کے بعد آیات کریمہ سے ان مسائل کی تفصیل بیان کی گئی ہے' بعد ازاں فقہ حنفی کی معتبر کتابوں سے مسائل جزئیہ باحوالہ نقل کیے گئے ہیں' اسی لئے حضرت مولانا مفتی محمد اعجاز الرضوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"حنفی فقہ میں بہار شریعت کے سترہ حصص اردو میں تصنیف فرما کر ملت مسلمہ پر وہ احسان فرمایا ہے' جس کا جواب نہیں"

اولاد امجاد

اللہ تعالیٰ نے صدر الشریعہ رحمہ اللہ تعالیٰ کو سعادت مند اولاد سے نوازا تھا۔ آپ نے لڑکیوں سمیت اپنی تمام اولاد کو علوم وہبیہ سے بہرہ ور فرمایا۔ تین صاجزادے (جن کا ذکر اوپر آچکا ہے) آپ کی حیات میں ہی داغ مفارقت دے گئے تھے۔ اس وقت آپ کے چار صاجزادے صاحب علم و فضل موجود ہیں' جن کے نام یہ ہیں۔ مولانا علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری' شیخ الحدیث جامعہ امجدیہ کراچی' مولانا حافظ رضا المصطفیٰ خطیب جامعہ مسجد میمن کراچی' مولانا ثناء المصطفیٰ اور مولانا ضیاء المصطفیٰ (رضائے مصطفیٰ (صدر الشریعہ نمبر) شمارہ 2 ذیقعدہ 1379ھ' ص 8) اول الذکر علامہ ازہری مدظلہ العالی جمیت علمائے پاکستان کے ممتاز رہنما اور قومی اسمبلی کے ممبر ہیں۔ حق و صداقت کی آواز پوری بیباکی سے بلند کر رہے ہیں اور نظام مصطفیٰ کے نفاذ اور مقام مصطفیٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تحفظ کے لئے سرگرم عمل ہیں۔ (افسوس کہ علامہ ازہری رحمتہ اللہ تعالیٰ 16 ربیع الاول' 18 اکتوبر 1410ھ 1989ء کو رحلت فرما گئے' انا للہ وانا الیہ راجعون۔

سفر مدینہ اور سفر آخرت

حضرت صدر الشریعہ' بریلی شریف کے قیام کے دوران ان 1337ھ 1922ء میں پہلی مرتبہ حج و زیارت کی سعادت سے مشرف ہوئے۔ (غلام مہر علی' مولانا :الیواقیت المہریہ' ص80) واپسی پر حرمین شریفین کی دوبارہ حاضری کا اشتیاق ہر وقت بے چین کئے رکھتا۔ آخر 20 سوال المکرم 26 اگست (1367ھ 1947ء) کو وہ دن آگیا' جس سے دوسرے دن اس مبارک سفر پر روانگی تھی۔ اس وقت شوق زیارت میں بے پناہ اضافہ ہوگیا' رخصت کے وقت عقیدت مندوں کا جم غفیر الوداع کہنے کے لئے اسٹیشن پر پہنچا۔ آپ نے الوداعی خطاب فرمایا تو ہر شخص کی آنکھوں سے سیل اشک رواں ہوگیا۔ آخر میں آپ نے فرمایا: حقوق العباد میں مجھ سے کوئی فرو گزاشت ہوگئی ہو تو آپ لوگ مجھے معاف کر دیں فقیر کے حقوق جن پر ہوں' میں نے سب کو معاف کئے۔ گاڑی میں سوار ہوئے' تو راستے میں شدید بخار ہوگیا۔ شدت بخار میں یہ شعر زبان پر رہا۔

مرضت شوقا و مت هجرا
فکیف اشکو الیک شکوی

بعض خدام نے عرض کیا: حضور ایسی حالت میں سفر ملتوی فرما دیں۔

فرمایا:

"اگر حج و زیارت میری قسمت میں ہوا تو روانگی کی تاریخ تک اچھا' ہو جاؤں گا اور اگر عمر کا پیمانہ لبریز ہی ہو چکا ہے' تو اس سے بڑھ کر کونسی فیروز مند موت ہو سکتی ہے کہ راہ حبیب (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) میں اپنی جان دے دوں۔"
(رضائے مصطفےٰ گوجرانوالہ (صدر الشریعہ نمبر) ص8)

3 ستمبر بروز جمعہ بمبئی پہنچے' تو ڈاکٹر نے بتایا نمونیہ کا عارضہ ہوگیا ہے۔ 2 ذیقعدہ 6 ستمبر بروز دوشنبہ (1367ھ 1947ء) رات کے گیارہ بجے سکرات کا

عالم طاری تھا' اسی عالم میں دونوں ہاتھ اٹھانے کی کوشش کی' مگر ایک ہاتھ نہ اٹھ سکا۔ اسی طرح نماز کی نیت باندھی اور کچھ پڑھنا شروع کیا' یہاں تک کہ ایک ہچکی آئی اور قاصد مدینہ طیبہ کی روح پرواز کر گئی۔ ادھر اسی وقت حجاز کا جہاز کھلا مگر

مدینے کا مسافر ہند' سے پہنچا مدینے میں
قدم رکھنے کی نوبت بھی نہ آئی تھی سفینے میں
ایضاً: ص 8

مادۂ تاریخ وصال درج ذیل آیت قرآنی ہے:

ان المتقین فی جنت و عیون (ماہنامہ پاسبان (امام احمد رضا نمبر) ص 74)

13 67 ھ

مبلغ اسلام حضرت مولانا شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی میرٹھی قدس سرہ العزیز

محسن ملت' نازش اہلسنت' مبلغ اسلام حضرت مولانا شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی میرٹھی ابن حضرت مولانا محمد عبدالحکیم قدس سرہما 15 رمضان المبارک 3 اپریل (1310ھ 1896ء) کو میرٹھ (یوپی) میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد عظیم المرتبت درویش صفت عالم دین اور بلند پایہ شاعر تھے۔ جوش تخلص کرتے تھے' ابتدائی تعلیم گھر پر ہی حاصل کی۔ چار سال دس ماہ کی عمر میں قرآن پاک پڑھ لیا' اردو فارسی اور عربی کی ابتدائی تعلیم والد گرامی سے حاصل کی بعد ازاں جامعہ قومیہ میرٹھ میں داخل ہوئے اور سولہ سال کی عمر میں درس نظامی کی سند حاصل کی۔

آپ کو چونکہ شروع ہی سے تبلیغ اسلام کا شوق تھا اس لئے علوم جدیدہ حاصل کرنے کے لئے اٹاوہ ہائی سکول سے میٹرک پاس کیا اور پھر ڈویژنل کالج

میرٹھ میں داخلہ لیا' 1917ء میں بی اے کا امتحان امتیازی حیثیت سے پاس کیا' کالج کی چھٹیوں کے دنوں میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی خدمت میں بریلی شریف حاضر ہو کر اکتساب فیض کرتے رہے۔

میرٹھ کالج کی تعلیم کے دوران آپ کو آل برما ایجوکیشنل کانفرنس کا صدر منتخب کیا گیا۔ اس کانفرنس میں آپ نے جو خطبہ دیا وہ برما اور سیلون میں مقبول عام ہوا اور برما کے احباب سے دینی نشر و اشاعت پر آپ کی جو گفتگو ہوئی وہ مستقبل کے تبلیغی مشن کے لئے بنیاد ثابت ہوئی۔

آپ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے اور خلافت و اجازت سے سرفراز ہوئے اور انہی کے ایماء و ارشاد پر اپنی زندگی تبلیغ دین اور خدمت اسلام کے لئے وقف کر دی اور اپنے نجی خرچ پر پیغام اسلام دنیا کے کونے کونے میں پہنچایا محسن ملت امام اہل سنت کو بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے' اپنے تلامذہ اور خلفاء کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

عبد علیم کے علم کو سن کر
جہل کی بہل بھگاتے یہ ہیں

(احمد رضا بریلوی' امام اہل سنت: الاستمداد (نوری کتب خانہ لاہور) ص79)

حضرت مولانا محمد عبدالعلیم صدیقی شعلہ بیان خطیب' بلند پایہ ادیب اور عظیم مفکر اسلام تھے۔ جب آپ اپنی نغمہ ریز آواز میں دلائل و براہین سے اسلام کی حقانیت بیان کرتے تو حاضرین پر سکوت چھا جاتا اور بڑے بڑے سائنسدان' فلاسفر اور دہریہ قسم کے لوگ آپ کے دست اقدس پر حلقہ بگوش اسلام ہو جاتے۔ آپ تقریباً" دنیا کی ہر زبان میں اس روانی سے تقریر کرتے تھے کہ خود اہل لسان ورطہ حیرت میں رہ جاتے۔ آپ نے پوری قوت اور بے باکی سے دین فطرت اسلام کا پیغام دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچایا جس کے نتیجے میں

پچاس ہزار سے زائد غیر مسلم مشرف بہ اسلام ہوئے۔ یہ وہ ناقابل فراموش کارنامہ ہے جو آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔

17 اپریل 1935ء کو ممباسا (جنوبی افریقہ) میں جارج برناڈشا سے آپ کی ملاقات ہوئی۔ آپ نے برناڈشا کے مختلف سوالات کے جوابات اس انداز سے دیئے کہ دنیا کا عظیم فلاسفر آپ کے سامنے طفل کتب نظر آنے لگا۔ آپ نے اسلام اور عیسائیت کے اصولوں کا تقابلی جائزہ تاریخ' سائنس اور فلسفہ کی روشنی میں اس طرح بیان کیا کہ برناڈشا کو اسلام کی عظمت کا اعتراف کرنا پڑا' اس گفتگو کا اردو ترجمہ ماہنامہ ترجمان اہلسنت' کراچی شمارہ محرم و صفر 1392ھ میں شائع ہو چکا ہے۔

ملک العلماء حضرت مولانا ظفرالدین بہاری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت علامہ مولانا معین الدین اجمیری رحمتہ اللہ کے بھتیجے محترم حکیم نصیرالدین مدظلہ (مالک نظامی دواخانہ' کراچی) نے ایک مکتوب میں تحریر کیا تھا کہ مولانا محمد حسین رحمہ اللہ تعالیٰ (جھنگ) علامہ الہند مولانا معین الدین اجمیری کے ایسے باکمال شاگرد تھے کہ اگر وہ پس پردہ بیٹھ کر پڑھا رہے ہوتے تو علامتہ الہند کا کوئی جاننے والا پہچان نہیں سکتا تھا کہ مولانا محمد حسین پڑھا رہے ہیں یا علامتہ الہند؟ غرض یہ کہ وہ ہو بہو اپنے استاد کی کاپی تھے' مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے تو ایسے کئی شاگرد تھے۔

• امام احمد رضا خاں بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی یہ کرامت ہی کہئے کہ ان کے تلامذہ اور خلفاء نہ صرف علم و فضل بلکہ صلابت دینی میں بھی ان کے مظہر تھے' ان میں سے ایک ممتاز ہستی حضرت مولانا علامہ ملک العلماء مولانا محمد ظفر الدین قادری تھے۔ انہوں نے اپنے دور کے باکمال اساتذہ مثلاً "حضرت مولانا

وصی احمد محدث سورتی اور حضرت مولانا احمد حسن کانپوری سے اکتساب فیض کیا' مولانا لطف اللہ علی گڑھی اور حضرت مولانا ارشاد حسین رامپوری کے خاص تلامذہ مولانا سید بشیر احمد علی گڑھی اور حضرت مولانا ارشاد حسین رامپوری کے خاص تلامذہ مولانا سید بشیر احمد علی گڑھی اور مولانا حامد حسن رامپوری کے سامنے بھی زانوئے تلمذ طے کیا' تاہم جس ہستی سے وہ سب سے زیادہ مستفیض اور متاثر ہوئے وہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ العزیز تھے۔

ملک العلماء بریلی شریف امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اتنے متاثر ہوئے کہ محرم الحرام 1322ھ 1904ء میں آپ کے دست اقدس پر بیعت ہوگئے۔ ملک العلماء کو شوق پیدا ہوا کہ درسیات کی تکمیل امام احمد رضا سے کروں لیکن وہ ہروقت مطالعہ اور تصنیف میں مصروف رہتے تھے' نیز ان کے ہاں کوئی مدرسہ بھی نہ تھا' ملک العلماء کے جنوں خیز علمی شوق کی کرامت دیکھیے کہ انہوں نے امام احمد رضا خاں بریلوی کے چھوٹے بھائی حضرت مولانا حسن رضا بریلوی اور بڑے صاحبزادے حجتہ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا خاں بریلوی اور حضرت مولانا حکیم سید محمد امیر اللہ شاہ بریلوی رحمھم اللہ تعالیٰ کو تیار کیا اور ان کی کوشش سے امام احمد رضا خاں بریلوی کو مدرسہ منظر اسلام' محلّہ سوداگران' بریلی شریف قائم کرنے پر راضی کیا' مدرسہ کا نام تاریخی ہے جس سے 1322 عدد برآمد ہوتے ہیں اسی سال یہ مدرسہ قائم کیا گیا۔ مولانا ظفر الدین بہاری اور ان کے ہم وطن دوست مولانا سید عبدالرشید عظیم آبادی ان دو طالب علموں سے مدرسے کا افتتاح ہوا۔

ملک العلماء نے امام احمد رضا خاں بریلوی سے "صحیح بخاری شریف" "اوقلیدس" کے چھ مقالے' "تصریح" شرح چغمینی" مکمل کرکے علم توقیت' جفر اور تکسیر وغیرہ فنون حاصل کئے' تصوف کی کتابوں "عوارف المعارف" اور "رسالہ قشیریہ" کا بھی درس لیا' شعبان 1325ھ 1907ء میں علماء کے جم غفیر میں امام احمد رضا خاں بریلوی کے زمانہ کے مجدد شاہ حیات احمد قدس

سرہ سجادہ نشین ردولی شریف نے دستار فضیلت باندھی اور سند عطا کی' تحصیل علوم سے فراغت کے بعد امام احمد رضا خاں بریلوی نے آپ کو تمام سلاسل میں خلافت و اجازت مطلقہ سے نوازا اور "ملک العلماء" "فاضل بہار" کا لقب عطا فرمایا ملک العلماء امام احمد رضا خاں بریلوی کے عزیز ترین اور مایہ ناز شاگرد اور خلیفہ تھے' کبھی اپنے مکتوبات میں انہیں لکھتے۔

"حبیبی وولدی و قرۃ عینی"

(میرے پیارے' میرے بیٹے' میری آنکھوں کی ٹھنڈک)

اور کبھی یوں تحریر فرماتے

"جان پدر بلکہ از جان بہتر"

ملک العلماء کے بارے میں امام احمد رضا خاں بریلوی کے تاثرات کا مرقع وہ مکتوب ہے جو انہوں نے انجمن نعمانیہ' لاہور کے ناظم خلیفہ تاج الدین رحمہ اللہ تعالیٰ کو 5 شعبان المکرم 1327ھ کو ارسال کیا' اس میں فرماتے ہیں:

مکرمی مولانا مولوی محمد ظفر الدین صاحب قادری سلمہ' فقیر کے یہاں کے اعز طلباء سے ہیں اور میرے بجاں عزیز' ابتدائی کتب کے بعد یہیں تحصیل علوم کی اور اب کئی سال سے میرے مدرسے میں مدرس اور اس کے علاوہ جکار افتاء میں میرے معین ہیں' میں یہ نہیں کہتا کہ جتنی درخواستیں آئی ہوں سب سے یہ زائد ہیں' مگر اتنا ضرور کہوں گا۔ سنی خالص مخلص' نہایت صحیح العقیدہ' ہادی مہدی ہیں۔۔۔۔۔ عام درسیات میں بفضلہ تعالیٰ عاجز نہیں۔۔۔۔۔ مفتی ہیں۔ ۔۔۔ مصنف ہیں۔۔۔۔۔ واعظ ہیں۔۔۔۔۔ مناظرہ بعونہ تعالیٰ کر سکتے ہیں۔

علماء زمانہ میں علم توقیت سے تنہا آگاہ ہیں۔

امام احمد رضا خاں بریلوی کے نام سے تین سو ساٹھ

اشعار پر مشتمل ایک قصیدہ لکھا' جس میں ذکر اصحاب و دعائے احباب کے عنوان سے اپنے خلفاء اور خصوصی احباب کا تذکرہ فرمایا' تیسرے نمبر پر ملک العلماء فاضل بہار کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا:

میرے ظفر کو اپنی ظفر دے
اس سے شکستیں کھاتے یہ ہیں

غرض یہ کہ تمام زندگی تعلیم' تبلیغ و تصنیف اور خدمت دین میں بسر فرمائی اور قابل صد فخر کارنامے انجام دیئے۔

ملک العلماء کی زندگی کے آخری دو سال تصنیف و تالیف' وعظ و ہدایت اور فتوی نویسی میں صرف ہوئے' جس رات ان کی رحلت ہوئی اس رات بھی آپ نے چار خطوط تحریر کئے۔ وہ بلڈ پریشر کے مریض تھے اور بہت کمزور ہوگئے تھے' لیکن ان کے روزانہ کے دینی معمولات میں کوئی فرق نہ آیا۔ 19 جمادی الاخرۃ 1372ھ 18 نومبر 1962ء کی رات ذکر جہر اللہ اللہ کرتے ہوئے جاں آفریں کی بارگاہ میں حاضر ہوگئے رحمتہ اللہ تعالیٰ و رضی اللہ تعالیٰ عنہ دسویں گیارہویں صدی ہجری کے مشہور بزرگ حضرت شاہ ارزاں رحمہ اللہ تعالیٰ (متوفی 1028ھ) کی درگاہ سے متصل شاہ گنج کے قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔ (مختار الدین احمد' ڈاکٹر: حیات ملک العلماء ص 16)

امام المحدثین حضرت مولانا سید دیدار علی شاہ الوری قدس سرہ العزیز

مرجع الفقہاء و المحدثین مولانا سید محمد دیدار علی شاہ ابن سید نجف علی 1273ھ 1856ء بروز پیر محلہ نواب پورہ الور میں پیدا ہوئے' (غلام مہر علی مولانا: الواقیت المزیہ ص 117) آپ کے عم مکرم' باخدا بزرگ مولانا سید نثار علی شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ولادت سے قبل آپ کی والدہ ماجدہ کو

بشارت دیتے ہوئے فرمایا:

"بیٹی! تیرے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو دین مصطفوی کو روشن کریگا' اس کا نام دیدار علی رکھنا" (عبدالنبی کوکب' قاضی' اخبار جمیعت لاہور 7 فروری 1985ء ص3)

آپ کا سلسلہ نسب حضرت امام موسیٰ رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ آپ کے آباء و اجداد مشہد سے ہندوستان آئے اور الور میں قیام پذیر ہوئے۔

آپ نے صرف و نحو کی ابتدائی کتابیں الور میں مولانا قمرالدین سے پڑھیں' مولانا کرامت اللہ خاں سے دہلی میں درسی کتابوں اور دورہ حدیث کی تکمیل کی' فقہ و منطق کی تحصیل مولانا ارشاد حسین رام پوری سے کی' سند حدیث مولانا احمد علی محدث سہارنپوری اور حضرت مولانا شاہ فضل الرحمان گنج مراد آبادی سے حاصل کی' حضرت شیخ الاسلام پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی اور مولانا وصی احمد محدث سورتی آپ کے ہم درس تھے۔

آپ سلسلہ نقشبندیہ میں حضرت مولانا فضل الرحمن گنج مرادی آبادی کے مرید اور خلیفہ تھے' سلسلہ چشتیہ میں حضرت مولانا سید علی حسین کچھوچھوی اور سلسلہ قادریہ میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کے خلیفہ مجاز ہوئے۔ (اقبال احمد فاروقی' پیرزادہ: تذکرہ علمائے اہل سنت و جماعت لاہور ص 269-268)

حضرت مولانا سید دیدار علی شاہ اور صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی کے درمیان بڑے گہرے دوستانہ مراسم تھے ایک مرتبہ حضرت صدر الافاضل نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کا ذکر کیا اور ملاقات کی رغبت دلائی' حضرت سید المحدثین نے فرمایا:

"بھائی مجھے ان سے کچھ حجاب سا آتا ہے' وہ پٹھان خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اور طبیعت تیز ہے"

لیکن حضرت صدر الافاضل دوستانہ روابط کی بناء پر بریلی لے ہی گئے' ملاقات ہوئی تو حضرت مولانا نے عرض کی حضور مزاج کیسے ہیں؟ اعلیٰ حضرت نے فرمایا:

"بھائی کیا پوچھتے ہو پٹھان ذات ہوں طبیعت کا سخت ہوں"۔

کشف کی یہ کیفیت دیکھ کر مولانا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے' سر عقیدت نیاز مندی سے جھکا دیا اس طرح بارگاہ رضوی سے نہ ٹوٹنے والا تعلق قائم ہو گیا۔ (اقبال احمد فاروقی' پیرزادہ : تذکرہ علماء اہل سنت و جماعت' ص 269-268)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس رہ نے حضرت مولانا سید دیدار علی شاہ قدس سرہ اور آپ کے قابل صد فخر فرزند مفتی اعظم پاکستان مولانا سید ابوالبرکات مدظلہ العالی کو تمام کتب فقہ حنفی کی روایت کی اجازت فرمائی۔ (دیار علی شاہ' امام المحدثین :مقدمہ میزان الادیان تفسیر القرآن' ص 80) اور اجازت و خلافت عطا فرماتے ہوئے تمام اوراد و وظائف کی اجازت فرمائی۔ تکمیل علوم کے بعد ایک سال مدرسہ اشاعت العلوم' رامپور میں رہے۔ 1325ھ 1907ء میں الور میں قوت الاسلام کے نام سے ایک دارالعلوم قائم کیا پھر لاہور تشریف لا کر جامعہ نعمانیہ میں فیض تدریس انجام دیتے رہے۔ 1335ھ 1917ء میں مولانا ارشاد حسین رامپوری کے ایماء پر آگرہ میں شاہی مسجد کے خطیب اور مفتی کی حیثیت سے تشریف لے گئے۔ 1340ھ 1922ء میں دوبارہ لاہور تشریف لائے۔ (نقوش' لاہور :ص 929) اور مسجد وزیر خاں میں خطابت کے ساتھ درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا 1343ھ 1925ء میں مرکزی انجمن حزب الاحناف قائم کی اور دارالعلوم حزب الاحناف کی بنیاد رکھی جہاں سے سینکڑوں علماء فضلاء اور مدرسین پیدا ہوئے' آج پاکستان کا شاید ہی کوئی شہر یا دیہات ہو گا جہاں حزب الاحناف کے فارغ التحصیل علماء دینی خدمات انجام نہ دے رہے ہوں (غلام مہر علی مولانا: الیواقیت المہریہ' ص 119

23 رجب المرجب 1354ھ 20 اکتوبر 1935ء کو اپنے رب کریم کے دربار میں حاضر ہوئے اور جامع مسجد اندرون دہلی دروازہ لاہور میں دفن ہوئے' مولانا ابوالحسنات رحمہ اللہ تعالیٰ نے قطعہ تاریخ وصال کہا جس کا تاریخی شعر یہ ہے۔

حافظ پس سرکوبی اعداء شریعت

"دیار علی یافتہ دیار علی را"

54 ھ 13

* @ * @ *

کشف و کرامات اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ

ایک روز اعلیٰ اپنی مسجد کے سامنے تشریف فرما تھے۔ عمر مبارک اس وقت تین ساڑھے تین برس تھی۔ ایک صاحب اہل عرب کے لباس میں ملبوس جلوہ گر ہوئے۔ انہوں نے آپ سے عربی زبان میں گفتگو فرمائی۔ آپ نے فصیح و بلیغ عربی میں ان سے کلام کیا۔ اس بزرگ ہستی کو پھر کبھی نہیں دیکھا نہ آپ نے بتلایا کہ وہ کون بزرگ تھے اور ان سے کیا گفتگو ہوئی یہی وجہ ہے کہ آپ کی عربی زبان میں فصاحت و بلاغت کو عربی زبان دانوں نے بھی کھلے دل سے تسلیم کیا۔ کیونکہ آپ کو یہ عطیہ خداوندی ملا تھا۔

ایک مرتبہ یوں ہوا کہ آپ اپنے استاد محترم سے کلام اللہ شریف کی تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ استاد محترم نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھانے کے بعد الف، با، تا جس طرح پڑھا جاتا ہے پڑھایا۔ اعلیٰ حضرت ان کے پڑھانے کے مطابق پڑھتے رہے۔ جب الف لام کی نوبت آئی تو استاد محترم نے فرمایا کہ کہو لام الف۔ اعلیٰ حضرت خاموش رہے۔ استاد نے مکرر کہا کہ میاں لام الف، حضور نے فرمایا یہ دونوں تو پڑھ چکے۔ لام بھی پڑھ چکے، الف بھی پڑھ چکے ہیں یہ دوبارہ کیسا۔

اس وقت اعلیٰ حضرت کے جد امجد مولانا رضا علی خان قدس سرہ العزیز نے جو کہ جامع کمالات ظاہری و باطنی تھے۔ فرمایا کہ بیٹا استاد کا کہا مانو جو کہتے ہیں پڑھو۔ اعلیٰ حضرت نے اپنے جد امجد کے چہرے کی طرف نظر اٹھائی اعلیٰ

حضرت کے جد امجد نے اپنی فراست ایمانی سے سمجھا کہ بچے کو شبہ ہے کہ یہ حروف مفردہ کا بیان ہے۔ اب ان میں ایک مرکب لفظ کیسا آیا ورنہ یہ دونوں حرف الگ الگ تو پڑھ ہی چکے ہیں' اگرچہ بچے کی عمر کے اعتبار سے اس راز کو ظاہر کرنا مناسب نہ تھا اور سمجھ سے بالا خیال کیا جاتا مگر ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات والی بات تھی۔

مولانا رضا علی خان صاحب نور باطنی سے سمجھ گئے کہ یہ بچہ کچھ ہونے والا ہے۔ اس لئے ابھی سے اسرار و نکات کا ذکر ان کے سامنے مناسب جانا اور فرمایا بیٹا تمہارے خیال کو درست سمجھنا بجا ہے۔ مگر بات یہ ہے کہ شروع میں تم نے جس کو الف پڑھا حقیقتہ وہ ہمزہ ہے اور یہ درحقیقت الف ہے۔ لیکن الف ہمیشہ ساکن ہوتا ہے اور ساکن کے ساتھ ابتدا ناممکن ہے۔ اس لئے ایک حرف یعنی لام اول میں لاکر اس کا تلفظ بتانا مقصود ہے۔

اعلیٰ حضرت نے فرمایا تو کوئی بھی ایک حرف ملا دینا کافی تھا۔ اتنے حروف کے بعد لام کی کیا خصوصیت ہے با' تا دال اور سین بھی لا سکتے تھے۔ حضرت نے غایت محبت اور جوش سے گلے لگایا اور دل سے بہت دعائیں دیں۔ پھر فرمایا کہ الف اور لام میں صورتاً" مناسب خاص ہے۔ ظاہرہ لکھنے میں بھی دونوں کی ایک ہی صورت ہے لا پالا اور سیرہ" اس وجہ سے کہ لام کا قلب الف ہے اور الف کا قلب لام (لام ا م) ہے یعنی یہ اس کے بیچ میں وہ اس کے بیچ میں۔

کہنے کو تو اعلیٰ حضرت کے جد امجد نے اس لام الف کو مرکب لانے کی وجہ بیان فرمائی مگر سچ پوچھیں تو باتوں باتوں میں سب کچھ بتا دیا اور اسرار و حقائق کے رموز اور اشارات کے دریافت اور ادراک کی صلاحیت و قابلیت اسی وقت سے پیدا فرمادی جس کا اثر سب نے آنکھوں سے دیکھ لیا کہ شریعت میں وہ اگر امام ابو حنیفہ کے قدم بقدم ہیں تو طریقت میں حضور پر نور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے نائب اکرم ہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ایک مرتبہ یوں ہوا کہ استاد صاحب کسی آیت مبارک میں بار بار زبر بتا رہے تھے اور آپ زبر پڑھ رہے تھے یہ کیفیت اعلیٰ حضرت کے جد امجد حضرت مولانا رضا علی خاں صاحب بھی ملاحظہ کر رہے تھے۔ اعلیٰ حضرت کو قریب بلوایا اور فرمایا کہ جس طرح استاد صاحب کہتے اسی طرح پڑھو۔ لیکن اس دوران اندر سے کلام اللہ شریف منگوا کر جو ملاحظہ کیا تو اس آیت کو جس طرح اعلیٰ حضرت پڑھ رہے تھے وہی درست طریقہ تھا۔ یعنی یہ کتابت کی غلطی تھی۔ مگر اعلیٰ حضرت کی زبان حق شناس نے اس غلطی کو بہت ہی کمسنی میں پکڑ لیا۔

مولانا رضا علی خان صاحب نے آپ کو گلے سے لگا کو خوب پیار کیا اور پوچھا کہ استاد صاحب جب طرح تمہیں بتاتے تھے کیوں نہیں پڑھتے تھے۔ عرض کیا کہ میں ارادہ ضرور کرتا تھا کہ جس طرح استاد صاحب کہہ رہے ہیں پڑھوں مگر زبان پر قابو نہیں پاتا تھا۔ حضرت مولانا رضا علی خان صاحب نے مولانا صاحب کو فرمایا کہ یہ واقعی کتابت کی غلطی ہے مگر احمد رضا بالکل درست پڑھ رہے ہیں۔

یہ اعلیٰ حضرت کی کرامت تھی کہ آپ نے اس وقت عربی زبان میں زیر زبر کی غلطی نہ کی۔ بلکہ یوں کہئے کہ قدرت کاملہ نے غلطی ہونے ہی نہ دی۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ آپ کی سرشت میں غلطی کا امکان ہی نہ تھا۔ یہی عظمت ہمیں اعلیٰ حضرت کی پوری حیات مبارکہ میں نظر آتی ہے۔ کہ پوری زندگی میں مخالفین کی بھرپور کوششوں کے باوجود ایک غلطی بھی ثابت نہ کر سکے۔ بہتان تراشیوں کی بات نہیں۔ بہتان تراشنا اور بات ہے جبکہ اس کو ثابت کرنا اور بات ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اعلیٰ حضرت کی انگریز دشمنی ضرب المثل کی صورت اختیار کر چکی تھی۔ آپ کی عادت شریفہ تھی کہ آپ اول تو کسی چیز کو ترک نہیں فرماتے تھے اور اگر ترک فرما دیا تو پھر کبھی اس کو اختیار نہیں فرماتے تھے۔ یہی حال یوں نظر آیا کہ ایک مرتبہ کسی بات پر آپ نے فرمایا کہ انگریز کی عدالت میں تو میری جوتی بھی نہیں جائے گی۔ اس بات کو مخالفین نے سن لیا اور اب ان لوگوں نے کوششیں

شروع کر دیں کہ کسی بھی طرح اعلیٰ حضرت کو کچہری تک لایا جائے۔ مگر دربار مصطفیٰ کے مسافر کو نیچا دکھانا بھلا ان بد بختوں کے نصیب میں کہاں تھا۔

حضرت حسنین رضا خان صاحب رقمطراز ہیں کہ "اعلیٰ حضرت قبلہ انگریز اور اس کی کچہری سے سخت متنفر تھے۔ یہ بات عام طور پر بہت مشہور تھی۔ مخالفین کو اعلیٰ حضرت قبلہ کو پریشان کرنے کے لئے یہی پہلو پسند آیا' پہلے بریلی کے وہابیوں نے اعلیٰ حضرت قبلہ کے خلاف ایک وہابی طالب علم سے حبس بیجا کا دعویٰ دائر کروایا۔ اس وقت اکبر علی برادر حقیقی مولانا اشرف علی تھانوی بریلی کی چنگی میں سیکرٹری تھے۔ انہوں نے بھی خوب ہوا دی۔ اعلیٰ حضرت قبلہ کی ہمدردی کے لئے محمد فاروق صاحب کوتوال شہر تھے۔ ان کی ایک بات پر اللہ تعالیٰ نے مقدمہ بلا حاضری خارج کروا دیا۔

چند روز کے بعد بدایوں والوں نے ایک وکیل کے محرر سے لائبل کیس چلوایا اور رفتہ رفتہ سارا بدایوں اس میں شریک ہوگیا۔ بجز دو تین معزز خاندانوں کے سبھی خاندان خلاف تھے اور اعلیٰ حضرت کی کچہری کی حاضری کے لئے سخت کوشاں تھے۔ اس کا سرکار دو جہاں کے صدقے میں رب العزت نے خود انتظام فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے کام تو اسی شان کے ہوتے ہیں۔ یہ ہم جانتے ہیں کہ لڑائی محض کچہری تک جانے کی تھی۔ مگر اس وقت سے بہت تیز ہوگئی تھی۔ جس وقت سے اعلیٰ حضرت قبلہ نے یہ فرمادیا تھا۔

"احمد رضا کی خدا چاہے تو جوتی بھی کچہری نہ جائے گی"

مولوی حشمت اللہ صاحب رضوی اس وقت فتح گڑھ میں جنٹ مجسٹریٹ تھے وہ مقدمے کی پہلی تاریخ کو بدایوں آئے تو اعلیٰ حضرت کی طرف سے مقدمے کی کوئی خاص پیروی نہ ہو رہی تھی۔ مولوی حشمت اللہ صاحب کی پنشن کا زمانہ قریب آچکا تھا۔ انہوں نے بدایوں سے فتح گڑھ پہنچ کر پنشن کی درخواست دے دی اور چھٹی لے کر مستقل بدایوں آگئے۔ کیونکہ وہ ملازمت کے دوران وکالت کر چکے تھے۔ لہٰذا انہوں نے اس مقدمے کی پیروی اپنے ہاتھوں میں لے

لی۔ انہوں نے مقدمہ خوب لڑایا۔'

اعلیٰ حضرت کے پہلے سمن آئے پھر حاضری وارنٹ آتے رہے۔ یہ سلسلہ مہینوں چلتا رہا۔ مقدمے میں دیگر ملزمان مولوی محمد رضا خان صاحب برادر خورد اعلیٰ حضرت' مولانا حامد رضا خاں صاحبزادہ کلاں اعلیٰ حضرت' صدر الشریعہ مولانا امجد علی صاحب شاگرد و رشید و خلیفہ اعلیٰ حضرت' حاجی شاہد علی خان صاحب ہمشیر زادہ اعلیٰ حضرت یہ چاروں حضرت برابر پیشی پر جاتے رہے۔ مقدمہ چلتا رہا۔ مگر اعلیٰ حضرت کبھی پیش نہ ہوئے۔ اعلیٰ حضرت کی حاضری کے لئے مخالفین کی کوششیں جاری رہی۔

مولوی حشمت اللہ صاحب جنٹ مجسٹریٹ اور نواب حامد علی خاں صاحب والئی رام پور میں اچھے خاصے مراسم تھے۔ جب مولوی حشمت اللہ رام پور گئے تو نواب صاحب نے اس مقدمے کا حال احوال دریافت کیا۔ انہوں نے بتلایا کہ کچہری کی حاضری کی لڑائی ہے۔ اعلیٰ حضرت کچہری جانا نہیں چاہتے اور مخالفین انہیں حاضر کرانا چاہتے ہیں۔ نواب صاحب نے از خود کہا کہ مٹن صاحب گورنر پرسوں میرے ہاں دعوت پر آرہے ہیں اور کمشنر بریلی بھی مدعو ہیں۔ گورنر اور کمشنر سے خود کہوں گا۔

چنانچہ جب گورنر دعوت میں رام پور پہنچے تو نواب صاحب والئی رامپور نے اعلیٰ حضرت کے مقدمہ کا قصہ گورنر سے کہا۔ گورنر نے کمشنر کی طرف دیکھا۔ کمشنر نے کہا کہ بریلی میں بھی اس مقدمے بازی کی بڑی ہل چل ہے۔ اس مقدمے سے بریلی کی عوام میں عام بیزارئی پھیلی ہوئی ہے اگر حکم ہو تو مولوی احمد رضا صاحب کو کچہری کی حاضری سے مستثنیٰ کر دیا جائے۔ چنانچہ بریلی آکر اس نے کلکٹر بریلی کو مستثنیٰ کر دینے کا حکم دے دیا۔

اس کے بعد مقدمے کے دیگر ملزمان کے سمن تھے اور اعلیٰ حضرت کا وارنٹ نہ تھا۔ اس بات کی گھر والوں کو پوری اطلاع کئی روز بعد ملی کہ استثنیٰ کی تحریک دربار رام پور سے چلی تھی یہاں آکر اس پر عمل درآمد

ہو گیا۔ یہ تھی تائید غیبی کہ اہل معاملہ بے خبر ہیں اور اللہ تعالیٰ دوسروں سے کام لے رہا ہے۔ اس تائید غیبی نے ہر معاملہ میں ان کا ساتھ دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر معاملہ میں ان کے حاسد دشمنوں کو انجام پر ندامت ہی نصیب ہوئی۔ کوئی مخالف انجام کار سے خوش نہ ہو سکا اور خود انہوں نے ان معاملات میں کوئی خاص دلچسپی نہ لی۔ اہل اللہ کی یہی شان ہوتی ہے اور ان کے اہم معاملات میں قدرتی طور پر ہمیشہ مردے از غیب بیرون آید و کارے بکند کا مظاہرہ ہو کر رہتا ہے۔

اعلیٰ حضرت کو حاضری سے مستثنیٰ قرار دینے کے بعد مقدمہ میں جان کہاں رہ گئی تھی۔ کچھ ہی عرصہ کے بعد مقدمہ خارج ہو گیا۔ جب مقدمہ اعلیٰ حضرت کے بغیر خارج ہو گیا تو بریلی میں جشن کا سماں پیدا ہو گیا۔ بریلی میں لوگوں نے آپ کو مبارکبادیں بھیجنا شروع کیں۔ ان میں چند مبارکبادیں تو بڑے بڑے جلوسوں کے ساتھ آئیں۔ جن میں نعت خواں حضرات کی ٹولیاں نعت و منقبت کے ساتھ شہر کا گشت کرتی ہوئی آئیں۔ اس واسطے کہ اعلیٰ حضرت قبلہ چند روز سے نو محلہ کی کوٹھی کے متعلقہ مکانوں میں مع گھر بار کے تشریف فرما تھے۔ مبارکیوں کے سارے جلوس نو محلہ میں ہی جاتے رہے اور مبارکباد کا یہ سلسلہ کم و بیش ایک ماہ تک چلتا رہا۔

شروع میں مبارکیاں بھی زیادہ آئیں اور جلوس بھی بڑے آئے مگر پھر کم ہوتے گئے۔ مبارکیوں کے سلسلہ کے دوران بریلی میں بڑا جشن منایا گیا۔ ہر مبارکی میں مٹھائیوں کی بہتات رہی بعض مبارکیوں میں اسی اور نوے تک مٹھائی کے خوانوں کی تعداد پہنچ گئی۔ ہر مبارکی میں کافی لوگ شریک ہوتے تھے۔ یوں مٹھائیوں کی مقدار بڑھ جاتی تھی۔ تین مبارکیاں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ایک سوداگری محلہ کی اور دوسری مداح الحبیب مولوی جمیل الرحمٰن خان کی تیسری پرانے شہر سے جو نواب خاندان والوں کی قیادت میں گئی تھی اس میں ان کے محلہ والے جن میں ثقہ صاحبان شریک تھے۔

لوگوں کا تو یہ کہنا تھا کہ یہ شاندار مبارکیاں کسی بادشاہ کے دور میں بھی نہیں دیکھی گئیں۔ مٹھائیوں کی تقسیم بھی ایک بڑا کام تھا جو کیا گیا تو ہو گیا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اعلیٰ حضرت اور احمد رضا صاحب بریلوی علیہ الرحمتہ کے خلیفہ اعظم حضرت مولانا عبدالسلام صاحب کئی برس سے اعلیٰ حضرت کو جبل پور مدعو کر رہے تھے۔ ہر برس اس سلسلہ میں اصرار بڑھتا جا رہا تھا۔ مگر اعلیٰ حضرت دینی مصروفیات کی وجہ سے مسلسل پہلو تہی کرتے رہے۔ یہ 1336ھ کی بات ہے یوں تو پہلے بھی بارہا خطوط ارسال کئے جا چکے تھے اور متعدد قاصد بھی روانہ کئے تھے۔ مگر اس مرتبہ مولانا عبدالسلام صاحب نے اپنے فرزند مولانا برہان الحق صاحب کو روانہ کیا کہ اعلیٰ حضرت کی ہمراہ لے کر ہی آنا ہے۔

اعلیٰ حضرت نے اپنی دینی مصروفیات کی وجہ سے ہمیشہ طویل سفر سے اجتناب کیا، مگر اس مرتبہ تو بلاوہ ہی اس قدر شدید تھا کہ انکار کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ یہ بلاوا فقط آپ کے ہی لئے نہیں تھا بلکہ پورا گھرانہ، تمام خدام اور دارالافتا کا سارا عملہ بھی مدعو تھا۔ دراصل مولانا موصوف اہل جبل پور کو اعلیٰ حضرت قبلہ کی روز مرہ زندگی کے معمولات دکھلانا چاہتے تھے اور یہ وہ وقت تھا کہ ان کی دلی مراد پوری ہو رہی تھی۔

جبل پور میں اعلیٰ حضرت اور آپ کے ساتھیوں کا قیام ایک ماہ رہا۔ بتایا جاتا ہے کہ اس ایک ماہ میں ایسی شاندار مہمان نوازی کی گئی کہ مدت العمر فراموش نہیں ہوگی۔ جبل پور میں آپ کے قیام کا پہلا جمعہ تھا۔ آپ کے رفیق خاص حاجی کفایت اللہ نے آپ کے لئے غسل کا پانی کمرے میں لا کر رکھا اور ایک جوڑا کپڑوں کا بھی حاجی کفایت اللہ صاحب نے لا کر پیش کیا۔ اعلیٰ حضرت نے جب کرتا کھول کر دیکھا تو وہ کسی قدر پھٹا ہوا تھا۔ اعلیٰ حضرت نے وہ پھٹا ہوا کرتا حاجی صاحب کو دکھایا اور فرمایا کہ حاجی صاحب کیا آج جمعہ کے دن یہ پھٹا ہوا کرتا پہناؤ

گے۔ حاجی صاحب وہ کرتہ لے گئے اور دوسرا کرتہ لا کر پیش کر دیا۔ اعلیٰ حضرت نے اس کو دیکھا تو کورا ضرور تھا مگر بو نام ندارد تھے۔ اس قربت پر آپ کو جلال آہی گیا اور فرمایا کہ

"یہ حاجی' یہ حاجی میرا مرکر بھی پیچھا نہ چھوڑے گا"

آواز کس قدر کرخت تھی۔ جو کہ دوسرے کمروں میں بھی سنی گئی۔ اب سننے والوں نے اعلیٰ حضرت کے ان الفاظ پر تبصرہ شروع کر دیا۔ کسی نے کہا کہ اس ارشاد کا مطلب کیا ہے۔ بعض احباب نے کہا کہ یہ غصہ کی بات ہے۔ جو کسی مقصد سے نہیں کہی گئی نہ کسی آنے والے واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ مولانا حسنین رضا خاں صاحب فرماتے ہیں کہ "مجھے ان کی غیظ و غضب اور پریشانی کی باتوں کا پہلے سے کسی قدر اندازہ تھا۔ اس لئے میں اس جملہ کا یہ مطلب سمجھا اور میں نے کہہ بھی دیا کہ اعلیٰ حضرت کا وصال پہلے ہوگا اور حاجی کفایت اللہ صاحب مجاور بن کر بیٹھیں گے۔ اس واسطے کہ ان کی ایسے وقت بھی کوئی بات بے معنی نہ دیکھی تھی۔"

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کہ جب اعلیٰ حضرت کا وصال 1340ھ میں ہوا تو حاجی صاحب موجود تھے اور اعلیٰ حضرت کی خدمت میں مصروف تھے۔ یہ بھی دنیا نے دیکھا کہ وہ مجاور بن کر بیٹھ بھی گئے۔ مگر اس بات کی گہرائی اور اس کا پورا مفہوم برسوں بعد منظر عام پر آیا جبکہ حاجی صاحب نے اپنی وفات سے کچھ عرصہ قبل صاحبزادگان و خلفاء اور مخلصین اعلیٰ حضرت سے احاطہ درگاہ رضویہ میں اپنے دفن ہونے کی تحریری اجازت مانگی۔ مخالفت تو درکنار ان مذکورہ بالا حضرات نے ان کی تائید میں نہ صرف اجازت نامے بلکہ مضامین تک لکھے۔ جو حاجی صاحب نے کتاب کی صورت میں چھپوا کر شائع بھی کر دیے۔

شہر کے اندر دفن ہونے کے لئے چیئرمین سے اجازت لینا ہوتی ہے۔ تو ان کی درخواست پر چیئرمین نے بھی فوراً" منظوری دے دی' اعلیٰ حضرت کے بائیں کی طرف ایک حجرے میں انہوں نے ایک قبر کھدوا کر اپنے لئے تیار کر لی'

• جب یہ سب کام مکمل ہو گئے تو حاجی صاحب اللہ کو پیارے ہو گئے اور ایسی تیار شدہ قبر میں دفن ہوئے۔

لوگوں کو ان کی تدفین کے بعد جبل پور والے اعلیٰ حضرت کے ارشاد کا مطلب بخوبی سمجھ میں آیا کہ اعلیٰ حضرت کے جبل پور والے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ یہ حاجی مرنے کے بعد بھی میرا پیچھا نہ چھوڑے گا۔ یعنی حاجی صاحب کی قبر بھی اعلیٰ حضرت کے قریب ہی بنے گی۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضاخاں بریلوی قدس سرہ کی روحانی کرامات

حضرت علامہ نور احمد قادری فرماتے ہیں کہ : ولیاء اللہ کی روحانی کرامت حضور پاک خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا فیض ہے جو اولیاء اللہ کو عشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سرشار ہو جانے کی باعث مبداءِ فیوض سے اس لئے عطا ہوتا ہے کہ کفار و مشرکین کو اس کی بدولت انقلابی رفتار سے حلقہ بگوش اسلام کیا جاسکے یعنی ایک ایک دو دو کی تعداد میں نہیں بلکہ بیک وقت ہزاروں کی تعداد میں انہیں مسلمان کیا جاسکے' انقلابی رفتار کا یہی مطلب ہے عہد رسالت میں بھی کفار مشرکین کے قبائل کے قبائل حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے معجزات دیکھ کر ایک ایک دن میں بے شمار تعداد میں مسلمان ہوئے پھر عہد رسالت کے بعد دنیا میں جہاں جہاں بھی اسلام جنگل کی آگ کی طرح تیزی سے پھیلا اس کا سبب بھی حضور ہی کے معجزات کا فیض یعنی بزرگان دین اولیائے کاملین کی روحانی کرامات تھیں جنہیں کفار و مشرکین نے دیکھا اور صداقت اسلام کا عملی طور پر لوہا مانا اور جوق در جوق حلقہ اسلام میں شامل ہوئے بلکہ بعض دفعہ تو ایسا بھی ہوا کہ پورا علاقہ کا علاقہ مسلمان

ہو گیا۔ سیدنا غوث الاعظم یا داتا گنج بخش ﷺ اور سلطان الہند خواجہ غریب النواز اجمیری ﷺ اور شیخ الاسلام بابا فرید الدین گنج شکر ﷺ کے واقعات کرامت تو اس قدر زبان زد خاص و عام ہیں کہ یہ بات بالکل تاریخی حیثیت سے واضح ہے کہ ایک ایک دن میں ان کی روحانی کرامات دیکھ کر کئی کئی ہزار غیر مسلموں نے اسلام قبول کیا اور بستیوں کی بستیاں مسلمان ہو گئیں یہاں اس مختصر بیان میں ان واقعات تاریخی کے دھرانے کی گنجائش نہیں جنھوں نے تاریخ اسلام کا اس حیثیت سے مطالعہ کیا ہے وہ بخوبی جانتے ہیں اور اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ اسلام کو انقلابی حیثیت سے پھیلانا اولیاء اللہ ہی کا روحانی کارنامہ اور عظیم کام ہے۔ وہ مامور من بارگاہ کرامات ہوتے ہیں کمال علمی کے ساتھ ساتھ انہیں کمال روحانیت یعنی کرامات مبداء فیض سے عطا ہوتی ہیں اور "کرامت" ایک صاحب مقام اور امور بارگاہ ولی اللہ کی ایسی ہی صفت ہے جیسی کہ چمکتی ہوئی کرن سورج کی صفت ہے۔ سورج دنیا کو اپنی کرن نہیں دکھاتا بلکہ کرن خود بخود اس کی روشنی سے ظاہر ہوتی ہے اسی طرح ولی اللہ بھی اپنی کرامات اہل دنیا کو دکھاتا نہیں پھرتا بلکہ وہ خود بخود ان سے ظاہر ہوتی ہے اولیاء اللہ کی کرامت فی الحقیقت حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے نور رسالت اور معجزہ کی جھلک اور فیض ہے جو انہیں عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سرشار ہو جانے کی بدولت مبداء فیض سے ملتا ہے اور کرن کی طرح ان سے ظہور میں آتا ہے اور دیکھنے والوں کے دلوں کو نور ایمانی سے روشن کر دیتا ہے نبوت حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ختم ہو چکی مگر نبوت کا مشن یعنی دین اسلام کا پھیلتے رہنا عاشقان رسول اللہ یعنی علمائے ربانی کے ذریعہ برابر جاری ہے اور تاقیام قیامت جاری رہے گا جو قرآن پاک کی اصطلاح کی اولیاء اللہ اور تصوف اسلامی کی اصطلاح میں واصلین حق کہلاتے ہیں۔ اسلام کا انقلابی طور پر پھیلانا حضور پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی طرف سے ان عاشقان رسول" بارگاہ خداوندی کے مقبول یعنی اولیاء اللہ کے ذریعہ اس اشاعت اسلام

کے سلسلہ میں جو بھی روحانی کرامت ان علمائے ربانی یعنی اولیاء اللہ سے ظاہر ہوتی ہے وہ دراصل فیض ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے نور رسالت اور معجزات کا جو مبداءِ فیض سے ہر ولی اللہ کو بقدر ان کے درجہ ولایت عطا ہوتا ہے ہر ولی اللہ سے کرامت خود بخود ظاہر ہوتی ہے اور کفار و مشرکین اولیاء اللہ کی اس روحانی کرامت یا روحانی کمال کو دیکھ کر ہی اسلام کی آسمانی صداقت پر ایمان لاتے ہیں اور اپنے کفر و شرک سے تائب ہو کر مشرف بہ اسلام ہو جاتے ہیں اگر ایک مبلغ اسلام میں یہ کمال روحانیت کی صفت موجود نہ ہو تو وہ اسلام نہیں پھیلا سکتا۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح کہا ہے کہ

عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کار بے بنیاد

اس لئے ایک مبلغ اسلام کے لئے کمال روحانیت کی صفت ضروری ہے اور یہ صفت ہے صرف اولیاء اللہ ہی کی کہ انہیں علمی کمال کے ساتھ ساتھ یہ روحانی کمال یعنی کرامت بھی عطا ہوتی ہے اور وہ بارگاہ کبریٰ کے مامورین ہوتے ہیں۔

لہٰذا یہ امر واضح ہے کہ کرامت ہر ولی اللہ سے ظاہر ہوتی ہے اور خود بخود ظاہر ہوتی ہے کوئی نہ کوئی واقعہ اس کرامت کے ظہور کا موجب بن جاتا ہے اور مقصد اس کا یہی ہوتا ہے کہ دین کی اشاعت ہو اور غیر مسلم اس کرامت کو دیکھ کر خود بخود بلا کسی جبر و اکراہ کے حلقہ بگوش اسلام ہو جائے اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جائے اس روحانی کرامت کے سلسلے میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ العزیز کے بھی سیدنا غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ کی طریقت قادریہ کے ایک عظیم ولی اللہ کی حیثیت سے بے شمار واقعات ہیں یہاں بخوف طوالت ان میں سے صرف ایک واقعہ کو پیش کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ یعنی حقیقت تاریخی کے لحاظ سے یہ ایک ایسا واقعہ کرامت ہے کہ جس کو دیکھ کر ایک صاحب اقتدار اور تعلیم یافتہ انگریز بمعہ اپنے پورے کنبہ کے مسلمان ہوا اور ایسا مسلمان ہوا کہ پھر اس نے اپنی بقیہ زندگی خدمت دین کے لئے وقف کر دی اور

اس نے اپنے وطن جاکر اسلام کی زرین خدمات انجام دیں۔

یہ واقعہ دلچسپ بھی ہے اور سبق آموز بھی' سبق آموز اس لئے ہے کہ یہ واقعہ اس بات کا ایک درس ہے کہ حضر ہو یا سفر' خدا اور رسول کا خوف دل میں رکھنے والے نماز کسی حالت میں نہیں چھوڑتے' عشق الٰہی کی رسی کو ہر حال میں ہاتھوں سے تھامے رہتے ہیں اور دلچسپ اس لئے ہے کہ سائنسی عقل رکھنے والے بھی روحانیت کے کمال کو ماننے پر مجبور ہوگئے سائنسی علم کے ساتھ ساتھ روحانی حقیقت کو بھی انہوں نے تسلیم کیا اور اسلام کی حقانیت کا دامن پکڑ لیا۔

یہ واقعہ اعلیٰ حضرت کی زندگی کے بے شمار واقعات کرامت میں سے ایک اہم تاریخی واقعہ ہے۔ یہ واقعہ کرامت اعلیٰ حضرت کے وصال 1921ء سے چند ماہ قبل کا واقعہ ہے ہوا یوں تھا کہ اعلیٰ حضرت کا اکثر سلطان الہند خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی اجمیری ﷫ کی خانقاہ میں عرس غریب نواز کے موقعہ پر وعظ ہوا کرتا تھا اور اس وعظ کا اہتمام خود خانقاہ شریف کے "دیوان" صاحب کیا کرتے تھے جس میں علماء فضلا دور دور سے آکر وعظ سننے کے لئے شرکت کرتے بعض دفعہ دکن کے حکمران نظام دکن میر محبوب علی خان اور میر عثمان علی خاں بھی اس وعظ میں شریک ہوتے رہے اعلیٰ حضرت کا وعظ سننے کے لئے بے شمار خلقت وہاں ہوا کرتی۔

اس مرتبہ جب اعلیٰ حضرت بریلی شریف سے اجمیر شریف عرس خواجہ غریب نواز میں حاضری کے لئے جانے لگے تو ان کے ہمراہ دس گیارہ ان کے مریدین بھی تھے۔ دہلی سے اجمیر شریف تک جانے کے لئے بی بی اینڈ سی آئی آر ریل چلا کرتی تھی دوران سفر جب یہ ریل گاڑی پھلیرہ جنکشن پر پہنچی تو قریب قریب مغرب کا وقت ہو جاتا تھا۔ پھلیرہ اس دور کے ہند کا بہت بڑا ریلوے جنکشن ہوا کرتا تھا۔ ان تمام دوسری لائنوں سے آنے والے مسافر اجمیر شریف جانے کے لئے اسی میل گاڑی کو پکڑتے تھے۔ اس لئے یہ میل گاڑی پھلیرہ

سٹیشن پر تقریباً" چالیس منٹ ٹھہرا کرتی تھی۔

بہرکیف جب اعلیٰ حضرت سفر کر رہے تھے تو دہلیرہ جنکشن پر پہنچتے ہی مغرب کی نماز کا وقت ہو گیا اعلیٰ حضرت نے اپنے ساتھ والے مریدین سے فرمایا کہ نماز مغرب کے لئے جماعت پلیٹ فارم پر ہی کر لی جائے۔ چنانچہ چادریں بچھا دی گئیں اور لوگوں میں سے جن کا وضو نہ تھا انہوں نے تازہ وضو کر لیا۔ اعلیٰ حضرت ہروقت باوضو رہتے چنانچہ انہوں نے فرمایا کہ میرا وضو ہے اور امامت کے لئے آگے بڑھے اور پھر فرمایا کہ آپ سب لوگ پورے اطمینان کے ساتھ نماز ادا کریں۔ انشاء اللہ گاڑی ہرگز اس وقت تک نہ جائے گی جب تک کہ ہم لوگ نماز پورے طور سے ادا نہیں کر لیتے ہیں۔ آپ لوگ قطعاً" اس بات کا فکر نہ کریں اور پوری یکسوئی کے ساتھ نماز ادا کریں یہ فرما کر اعلیٰ حضرت نے امامت کرتے ہوئے نماز پڑھانا شروع کر دی۔ مغرب کے فرضوں کی جب ایک رکعت ختم کر چکے تو ایک دم گاڑی نے وہسل دے دی۔ پلیٹ فارم پر دیگر بکھرے ہوئے مسافر تیزی کے ساتھ اپنی اپنی سیٹوں پر گاڑی میں سوار ہو گئے مگر آپ کے پیچھے نمازیوں کی یہ جماعت پورے استغراق کے ساتھ نماز میں اسی طرح برابر مشغول رہی دوسری رکعت مغرب کے فرائض کی چل رہی تھی گاڑی نے اب تیسری اور آخری وہسل بھی دے دی مگر ہوا کیا کہ گاڑی کا انجن آگے کو نہ سرکتا تھا میل گاڑی تھی کوئی معمولی پسنجر گاڑی نہ تھی۔ اس لئے ڈرائیور اور گارڈ سب پریشان ہو گئے کہ آخر یہ ہوا کیا کہ گاڑی آگے نہیں جاتی۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آیا۔ انجن کو ٹیسٹ کرنے کے لئے ڈرائیور نے گاڑی کو پیچھے کی طرف دھکیلا تو گاڑی پیچھے کی سمت چلنے لگی' انجن بالکل ٹھیک تھا مگر جب ڈرائیور اسی انجن کو آگے کی طرف دھکیلتا تو انجن رک جاتا تھا آخر اسی میں اسٹیشن ماسٹر جو انگریز تھا اپنے کمرہ سے نکل کر پلیٹ فارم پر آیا اور اس ڈرائیور سے کہا کہ انجن کو گاڑی سے کاٹ کر دیکھو آیا چلتا ہے یا نہیں۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا' انجن کو گاڑی سے کاٹ کر جب چلایا تو بخوبی پوری رفتار سے چلا' کوئی اس میں

خرابی نظر نہ آئی مگر جب ریل کے ڈبوں کے ساتھ جوڑ کر اسی انجن کو چلایا گیا تو وہ پھر اسی طرح جام ہو گیا اور ایک انچ بھی آگے کو نہ چلا۔ ریل کا ڈرائیور اور سب لوگ بڑے حیران و پریشان کہ آخر یہ ماجرہ کیا ہے کہ انجن ریل کے ساتھ جڑ کر آگے کو نہیں جاتا' اسٹیشن ماسٹر نے گارڈ سے پوچھا جو نمازیوں کے قریب ہی کھڑا تھا کہ یہ کیا بات ہے کہ انجن الگ کرو تو چلنے لگتا ہے اور ڈبوں کے ساتھ جوڑو تو بالکل پٹڑی پر جام ہو کر رہ جاتا ہے وہ گارڈ مسلمان تھا اس کے ذہن میں بات آگئی اس نے اسٹیشن ماسٹر کو بتایا کہ سمجھ میں یہ آتا ہے کہ یہ بزرگ جو نماز پڑھا رہے ہیں کوئی بہت بڑے ولی اللہ معلوم ہوتے ہیں یقیناً" اس کے علاوہ اور کوئی ٹیکنیکل وجہ نہیں۔ اب جب تک کہ یہ بزرگ اور ان کی جماعت نماز ادا نہیں کر لیتی یہ گاڑی مشکل ہی چلے۔ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ان ولی اللہ کی کرامت معلوم ہوتی ہے بس اب ان کے نماز ادا کرنے تک تو انتظار ہی کرنا پڑے گا۔ اسٹیشن ماسٹر اگرچہ انگریز تھا مگر وہ اولیاء اللہ کو مانتا تھا اس کو یہ بات سمجھ میں آگئی اور وہ کہنے لگا کہ بلاشبہ یہی بات معلوم ہوتی ہے چنانچہ وہ نمازیوں کی جماعت کے قریب آکر کھڑا ہو گیا۔ نماز میں اعلیٰ حضرت کا اور ان کے مریدین کا اس قدر استغراق عبادت اور خشوع و خضوع کا یہ روح پرور منظر دیکھ کر بیحد متاثر ہوا۔ انگریزی اس کی مادری زبان تھی مگر وہ اردو اور فارسی کا بھی ماہر تھا اور بے تکلف اردو میں کلام کرتا تھا۔ گارڈ کے ساتھ اس کی یہ ساری گفتگو اردو ہی میں تھی۔

غرض اعلیٰ حضرت عظیم البرکت نے سلام پھیرا اور پھر باآواز بلند درود شریف پڑھ کر دعا مانگنے میں مصروف ہو گئے جب یہ دعا سے فارغ ہوئے تو آگے بڑھ کر نہایت ادب کے ساتھ اسٹیشن ماسٹر (انگریز) نے اردو ہی میں عرض کیا کہ حضرت! ذرا جلدی فرمائیں' یہ گاڑی آپ ہی کی مصروفیت عبادت کے سبب چل نہیں رہی اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ بس ابھی نماز پڑھ کر ہم لوگ تھوڑی دیر میں فارغ ہوں گے اور انشاء اللہ پھر گاڑی چلے گی۔ آپ جانتے ہیں کہ یہ نماز کا

وقت ہے کوئی بھی سچا مسلمان نماز قضا نہیں کر سکتا' نماز ہر مسلمان پر قرض ہے فرض کو کیسے چھوڑا جائے' گاڑی انشاء اللہ نہیں جائے گی جب تک کہ ہم لوگ اطمینان کے ساتھ نماز ادا نہیں کر لیتے۔ اسٹیشن ماسٹر پر اسلام کی روحانی ہیبت طاری ہوگئی' اعلیٰ حضرت اور ان کے مریدین نے سکون کے ساتھ جب نماز پورے طور پر ادا کرلی اور دعا پڑھ کر فارغ ہوئے تو اعلیٰ حضرت نے پاس ہی کھڑے ہوئے انگریز اسٹیشن ماسٹر سے فرمایا کہ انشاء اللہ اب گاڑی چلے گی ہم سب نماز سے فارغ ہوگئے یہ کہا اور بمعہ اپنے اسب ہمراہیوں کے گاڑی میں بیٹھ گئے گاڑی نے سیٹی دی اور چلنے لگی۔ اسٹیشن ماسٹر نے اپنے اندر میں سلام کیا اور آداب بجالایا مگر اس واقعہ کرامت کا اس کے ذہن اور دل پر بڑا گہرا اثر پڑا۔

بہرکیف گاڑی کے ساتھ اعلیٰ حضرت اور ان کے یہ چند مریدین تو اجمیر شریف روانہ ہوگئے مگر اسٹیشن ماسٹر سوچ میں پڑ گیا رات بھر وہ اسی غور و فکر میں رہا' اس کو نیند نہ آئی صبح اٹھا تو چارج اپنے ڈپٹی کو سنبھال کر بمعہ اپنے افراد خاندان کے حاضری کے لئے اجمیر شریف کو چل پڑا۔ تاکہ وہاں درگاہ خواجہ غریب نواز میں حاضر ہو کر اعلیٰ حضرت کے دست مبارک پر اسلام قبول کرے۔ جب اجمیر شریف پہنچا تو دیکھا کہ درگاہ شریف کی شاہجہانی مسجد میں اعلیٰ حضرت کا ایمان افروز وعظ ہو رہا ہے وہ وعظ میں شریک ہوا۔ بیان سنا اور جب وعظ ختم ہوا تو قریب پہنچ کر اس نے اعلیٰ حضرت کے ہاتھ چوم لئے اور عرض کیا کہ جب سے آپ ہملیوہ اسٹیشن سے ادھر روانہ ہو رہے ہیں میں اس قدر بے چین ہوں کہ مجھے سکون نہیں آتا' آخر اپنے افراد خاندان کے ہمراہ یہاں حاضر ہوگیا ہوں اور اب آپ کے دست مبارک پر اسلام قبول کرنا چاہتا ہوں آپ کی یہ روحانی کرامت دیکھ کر مجھے اسلام کی آسمانی صداقت کا یقین کامل ہوگیا ہے اور مجھے پتہ چل گیا ہے کہ بس اسلام ہی خدائے تعالیٰ کا سچا دین ہے۔

چنانچہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی نے ہزارہا زائرین دربار

خواجہ کے سامنے اس انگریز کو اور اس کے نوافراد خاندان کو وہیں کلمہ پڑھایا اور مسلمان کیا اور خود اس کا اسلامی نام بھی غوث پاک کے نام پر عبدالقادر رکھا۔ حالانکہ اس کا انگریزی نام رابرٹ تھا اور وہ رابرٹ صاحب کے نام سے مشہور تھا آپ نے اس کو مسلمان کرنے کے بعد سلسلہ قادریہ میں اپنا مرید بھی کیا اور پھر ہدایت فرمائی کہ ہمیشہ اتباع سنت کا خیال رکھنا' نماز کسی وقت نہ چھوڑنا' نماز روزہ کی پابندی بہت ضروری ہے اور جب موقعہ ملے تو حج پر بھی ضرور جانا اور زکوٰۃ بھی ادا کرنا اور ہمیشہ خدمت دین کا خیال رکھنا اس لئے کہ اسلام کا پھیلانا بھی قرآن پاک نے ہر مسلمان کے لئے ضروری قرار دیا ہے۔ اپنے وطن بھی جب جاؤ تو وہاں بھی دین کو پھیلانے کی خدمت انجام دینا۔ یہ بہت بڑی سعادت ہے اب خود بھی قرآن پاک کی تعلیم حاصل کرو اور اپنے ان تمام افراد خاندان کو بھی قرآن پاک کی تعلیم دلاؤ' غرض آپ نے اسلام اس کے دل میں اتار دیا اور اپنی عارفانہ جنبش نگاہ سے اس کے شیشہ کو عشق رسول پاک (صلی اللہ علیہ وسلم) کے عطر سے بھر کر اس کی روح کو مہکا دیا وہ اسلام کا شیدا و وارفتہ ہو گیا۔

اس انگریز اور ایک عظیم انگریز کے اس قبول اسلام کا یہ واقعہ اس وقت کا ایک اہم واقعہ تھا اس لئے کہ یہ انگریز کوئی معمولی درجہ کا انگریز نہ تھا بلکہ ایک ایسے گھرانہ کا فرد تھا جس کے بہت سے افراد ہندوستان میں اور اسی طرح انگلستان میں مناصب جلیلہ پر فائز تھے اہل علم اور باوقار لوگ تھے او عیسائی مشن کی بڑی سرپرستی کیا کرتے تھے اس انگریز کے بمعہ افراد خاندان مسلمان ہو جانے کے اس واقعہ سے عیسائی مشنریوں کے جرگہ میں ہلچل پڑ گئی۔ مذہب کے میدان میں ان کی بوئی ہوئی ساری سفید کپاس جل گئی یعنی گورے گھبرا گئے۔ ان کے پادری بوکھلا گئے یہ کیا کم انقلابی واقعہ تھا۔

پھر اس نو مسلم انگریز نے جیسا کہ بزرگوں نے بتایا' زندگی بھر اسلام کی بڑی خدمت کی وہ پھر قرآن کریم ختم کرنے کے بعد ہندوستان سے وطن واپس

لوٹ گیا اور پھر وہاں جاکر اسلام کی خدمت کے لئے وقف ہو گیا۔ اعلیٰ حضرت عظم البرکت کی روحانی کرامت اور عارفانہ جنبش نگاہ نے اس کی ساری کایا پلٹ دی۔ اسے آشنائے عشق رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کرکے کام کا آدمی بنا دیا' منزل پر پہنچا دیا' اس کو ملت اسلامیہ کا ایک مستحکم ستون بنا دیا' اولیاء اللہ نے ہمیشہ اسی طرح انقلابی طور پر اسلام پھیلایا اور پرچم اسلام کو سربلند کیا۔ ان کا ہر نقش قدم ایک مسلمان کو نجات کی راہ دکھاتا ہے اور ببانگ دھل یہ دعوت دیتا ہے کہ ہمیشہ اولیاء اللہ کے نقش قدم پر چل کر دین کی بے لوث خدمت انجام دو اور اتباع سنت کا پورا خیال رکھو۔ بس نجات اسی میں ہے۔

* @ * @ *

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ

کا

منظوم کلام

ہوں اپنے کلام سے نہایت محظوظ۔ بیجا سے ہے المنۃ للہ محفوظ
قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی۔ یعنی رہے احکام شریعت ملحوظ

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت احمد رضا خان صاحب بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کی وجہ شہرت یقینی طور پر لافانی نعتیں ہیں۔ اس بات سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے آج تک اس قدر کثرت سے کسی ایک شخصیت کا نعتیہ کلام عوام و خواص میں معروف نہیں ہوا۔ بلکہ میں تو یہی کہوں گا کہ رائج نہیں ہوا جی ہاں! اعلیٰ حضرت کا کلام واقعتاً" اہل اسلام میں رائج ہوا اور ہے یوں تو ہر مسلم شاعر نے نعتیہ شاعری بھی کی ہے مگر اعلیٰ حضرت نے شاعری میں فقط نعتیہ شاعری ہی فرمائی اور ایسی شاعری جو دلوں پر رقت طاری کر دے۔

خود میرا یہی حال ہے کہ جب میں اعلیٰ حضرت کی کوئی بھی نعت شریف سنتا ہوں یا پڑھتا ہوں تو بے اختیار آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے ہیں۔ بارہا یوں ہوا ہے کہ میں آپ کی مشہور زمانہ نعت شریف

لم یات نظیرک فی نظر

پڑھ رہا ہوں اور جب یہ شعر آتا ہے

مورا کون ہے تورے سوا جاناں

تو میں اپنی کم مائگی' بے بسی اور گناہگاری کے احساس ندامت میں ڈوب جاتا ہوں اور آقا' کے تصور میں زاروقطار رونے لگتا ہوں۔ میرے بچے بیچارے سہم جاتے ہیں کہ یہ اچانک ہمارے بابا کو کیا ہو گیا ہے۔ اچھے خاصے تو نعت پڑھ رہے تھے۔

ایک مرتبہ یوں ہوا کہ میں اپنی بچی شیزہ رضا کو کھلونے دلوانے ایک بازار میں لے گیا۔ دکاندار میرا جانا پہچانا تھا۔ بڑی خوش اخلاقی سے اس نے

ہمیں خوش آمدید کیا۔ جونہی میں دکان کے اندر داخل ہوا تو یوں لگا جیسے کسی نے میرے پاؤں زمین میں گاڑھ دیئے ہوں۔ بڑی مشکل سے دکان کے بینچ پر بیٹھ گیا۔ کوشش کی آنسو نہ نکلیں کیونکہ یہ تو خود نمائی ہو جائے گی۔ مگر اس وقت اپنے اوپر اختیار کس کو تھا۔ اشعار تھے کہ گویا میرے جذبات کی ترجمانی تھی۔ نعت شریف ختم ہوئی تو میں بغیر کھلونے خریدے ہی گھر کی جانب چل دیا۔ میرے آنسوؤں کی روانی اور ہچکیوں کی واضح آواز نے دکاندار کو بھی آبدیدہ کر دیا اور میں آنکھوں پر ہاتھ رکھے گھر کی جانب چلا مبادا کوئی دوست یہ نہ پوچھ لے کر تم روئے کیوں ہو۔

یہی شان اعلیٰ حضرت کی سبھی نعتوں کی ہے کہ بندہ اپنے احساسات ان اشعار میں محسوس کرتا ہے۔ گویا یہی تو وہ خود کہنا چاہتا تھا مگر ادائیگی اعلیٰ حضرت کی ہے۔ اعلیٰ حضرت کو اگر اہل سنت و الجماعت کا نبض شناس کہا جائے تو قطعی بیجا نہ ہو گا۔ کیونکہ جو بھی خیال کسی بھی مسلمان کا ہے اعلیٰ حضرت نے اس کو اشعار کے قالب میں ڈھال دیا ہے۔

یہ آپ ہی کا رفیع الشان کارنامہ ہے کہ آپ نے نعت گوئی کو شاعری کی دوسری اصناف سے زیادہ معزز اور ایک موثر تحریک کی شکل دی۔ یہی صورتحال ہمیں انیس و دبیر میں دکھائی دیتی ہے کہ انہوں نے اہل بیت کی مرثیہ نگاری میں کمال حاصل کیا اور آج تک ان کی سطح کا کوئی مرثیہ نگار پیدا نہیں ہوا۔ بلکہ یوں کہیئے کہ مرثیہ نگاری کو انیس و دبیر نے بام عروج تک پہنچایا۔ مگر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمتہ نے عشق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اظہار کے لئے نعتیہ اشعار کا انتخاب کیا۔ اور سبھی شعرا کے لئے ایک مثال بن گئے۔ جہاں کہیں نعتیہ شاعری کی بات ہوئی تو ذکر اعلیٰ حضرت کا ہی ہوا۔ آپ کی نعتوں اور نعتیہ قصائد نے صحیح معنوں میں میلاد کی محافل اور دینی جلسوں میں مستقل جگہ حاصل کی اور آپ کے سلام

مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں

نے بعد از نماز فجر اور بعد از نماز جمعۃ المبارک مستقل جگہ حاصل کی۔
رفتہ رفتہ انہی نعتوں کی وجہ سے نعت گوئی کو ایک فن تسلیم کیا گیا اور بہت سے لوگوں نے اپنی عقیدت کا اظہار کیا۔ یقینی طور پر اردو نعت گوئی میں قبول عام اور فضیلت فقط اعلیٰ حضرت کے ہی حصہ میں آئی۔ وگرنہ آپ سے پہلے اور مابعد بھی کسی شاعر نے اسقدر کثرت سے نعتیہ کلام پیش نہیں کیا۔ بلامبالغہ آپ کی نعتوں کا ایک ایک لفظ ایک ایک مصرعہ اور ایک ایک شعر عشق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں ڈوبا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

آپ کی خدمت اقدس میں کالی داس گپتا کا ایک مضمون پیش کرتا ہوں کالی داس کا مختصر تعارف کچھ یوں ہے کہ یہ بھارت کے بہت ہی معروف شاعر ہیں' کالی داس گپتا ایک طویل عرصہ تک افریقہ میں قیام پذیر رہے جب وہ بھارت واپس آئے تو انہوں نے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمتہ کے کلام کو ملاحظہ کیا' کالی داس گپتا نے جب آپ کے مجموعہ کلامہ "حدائق بخشش" کا مطالعہ کیا تو اعلیٰ حضرت کو انیسویں صدی کا بہترین اردو شاعر تسلیم کیا اور پھر انہوں نے ایک مضمون تحریر کیا جس کا عنوان ہے۔ "رضا' داغ اور میر" آیئے ملاحظہ فرمایئے۔

"تقریباً" ربع صدی کے افریقہ کے قیام کے بعد مجھے ہندوستان پلٹے کوئی زیادہ دن نہیں ہوئے۔ اس لئے جناب مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی کے نام اور کام سے بھی میری واقفیت چند ہی دنوں کی ہے۔ تاہم جب میرے ایک دوست اور عزیز اشتیاق احمد خان اوردی نے مجھے مولانا کی دو چھوٹی چھوٹی کتابیں موسومہ حدائق بخشش (حصہ اول و حصہ دوم) برائے مطالعہ عنایت کیں۔ تو معلوم ہوا کہ اسلامی دنیا میں ان کے مقام بلند سے قطع نظر ان کی شاعری بھی اس درجہ کی ہے کہ انہیں انیسویں صدی کے اساتذہ میں برابر کا مقام دیا جائے۔

مولانا موصوف کے سلام اور نعتیں کبھی کبھار سننے میں آجاتے ہیں۔ مگر وہ صرف مذہبی تقاضوں کو پورا کرتے ہیں۔ باہری حلقوں میں ادبی لحاظ سے نہ

ان کو پرکھا جاتا ہے۔ نہ ان سے کسی قسم کا ادبی اور شعری حظ اٹھایا جاتا ہے۔ میری شاعری کی عمر بھی 35 سال سے کچھ زیادہ ہی ہوگی ہے اور میری ذاتی کتب خانے میں شعرو شاعری سے متعلق تاریخی ادبی، علمی کتابوں اور قدیم و جدید شعراء کے دیوانوں اور تذکروں کا قابل لحاظ اور نادر ذخیرہ موجود ہے۔ جو تقریباً" تمام وکمال میری نظر سے گزر چکا ہے۔ مگر مجھے یہ کہتے ہوئے افسوس ہوتا ہے کہ حدائق بخشش کے دو نہایت معمولی لکھائی چھپائی والے مجموعوں کے علاوہ مولانا کے ہزاروں اشعار میں سے ایک حرف بھی میرے ہاں موجود نہیں ہے اور مذکورہ بالا دو مجموعوں کا حال یہ ہے کہ کتابت کی غلطیوں نے بہت سے اشعار کو بے معنی اور وزن سے ساقط کر کے رکھ دیا ہے۔

مولانا کو جان بحق تسلیم ہوئے ایک عرصہ ہو چکا ہے مگر کسی تذکرہ میں انہیں شعراء کے زمرے میں شمار نہیں کیا گیا صرف ایک جگہ اس کا ذرا سا تعارف نظر آیا وہ بھی براہ راست نہیں۔ بلکہ ان کے چھوٹے بھائی حسن بریلوی مرحوم کے ذریعہ سے (دیکھئے جمخانئہ جاوید جلد اول ازلالہ سری رام صفحہ نمبر 45 میں حسن بریلوی کا حال) چونکہ بھائی ہونے کے ناطے حسن مرحوم اور مولانا کا حسب نسب ایک ہی ہے۔ اس لئے یہاں ترجمے کا پہلا حصہ قارئین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔

سخن ور خوش بیاں ناظم شیریں مولانا حاجی محمد حسن رضا خان حسن بریلوی خلف مولانا مولوی نقی علی خاں صاحب مرحوم و برادر مولانا مولوی احمد رضا خاں صاحب عالم اہل سنت و شاگرد رشید حضرت نواب فصیح الملک بہادر داغ دہلوی، آپ کے صاحبزادے نے جو حالات ارسال کیے کا خلاصہ یہ ہے۔

آپ ماہ ربیع الاول 1276ھ کو پیدا ہوئے۔ آپ کے آباؤ اجداد دہلی کے رہنے والے تھے آپ کے جد امجد سعادت علی خاں صاحب کی وفات تک تو آپ کے خاندان کا مسکن اسی شہر میں رہا مگر اس کے بعد مستقل سکونت بریلی میں قرار پائی۔ چنانچہ اب وہی وطن ہے۔ آپ کے بزرگوں میں حضرت محمد اعظم

علی شاہ صاحب بہت بڑی دولت و ثروت چھوڑ کر تارک الدنیا ہو گئے تھے اور صاحب کشف و کرامات گزرے ہیں او عاشقانہ رنگ میں بلبل ہندوستان داغ سے تلمذ تھا۔ مولانا حسن بریلوی مرحوم نہایت اچھے شاعر تھے۔ تاہم حیرت ہے کہ اس ضخیم تذکرہ میں ان کے بڑے بھائی "عالم اہل سنت" اور نعت گوئی میں ان کے استاد جناب احمد رضا خان کے مجموعہ جات نے جگہ نہ پائی معلوم ہوتا ہے کہ اس میں خطا اس پاکیزہ مسلک کی بھی ہے جس کے زیر اثر مولانا نے اپنی شاعری کو قطعاً" نعتوں اور سلاموں ہی تک محدود رکھا اور باقاعدہ شاعری سے احتراز کیا۔ اس طرح عوام نے انہیں ایک شاعر کی حیثیت سے جانا ہی نہیں تاہم نعتیں اور سلام ہی سہی ذرا سے غور و فکر کے بعد ان کے اشعار ایک ایسے شاعر کا پیکر دل و دماغ پر مسلط کر دیتے ہیں جو محض ایک سخن وز کی حیثیت سے بھی اگر میدان میں اترتا تو کسی استاد وقت سے پیچھے نہ رہتا۔ نہیں معلوم کہ انہوں نے کسی سے باقاعدہ صلاح لی تھی کہ نہیں تاہم ان کے کلام سے ان کے کامل صاحب فن اور مسلم الثبوت شاعر ہونے میں شبہ نہیں اور نعتیہ غزلیں تو مجتہدانہ درجہ رکھتی ہیں۔ کہیں تشبیہ ہے کہیں خیال گوئی۔ عاشقانہ رنگ کا جو تغزل کی جان ہے' یہ رتبہ ہے کہ اگر نعت کے مخصوص رنگ کے اشعار الگ کر دیئے جائیں تو بقیہ اشعار ایک بہترین غزل کی شان کے حامل ہوں گے۔ ذیل میں مثالیں ملاحظہ فرمایئے۔

غالب کی مشہور زمینِ "دل ہی تو ہے نہ سنگ خشت" میں داغ کی بھی ایک غزت گلزار داغ میں ہے جو صحیح معنوں میں زبان داغ کا نمونہ ہے۔ اتفاق سے مولانا احمد رضا خاں کی بھی ایک نعت اسی زمین میں۔ دونوں ہم عہد شاعروں کا بیک وقت لطف اٹھایئے۔ ایک اپنے عہد کا سب سے بڑا استاد غزل اور دوسرا بڑا نعت گو مگر بحیثیت شاعر گمنام۔ چند ہم قافیہ اشعار ہی پر اکتفا کی جاتی ہے۔

داغ۔ جملہ رفیق و ہم طریق رہزن راہ عشق نہیں
سایہ خضر کیوں نہ ہو ساتھ ہمارے آئے کیوں

رضاؔ۔ جان سفر نصیب کو کس نے کہا مزے سے سو
کھٹکا اگر سحر کا ہو شام سے موت آئے کیوں

داغؔ۔ عشق و جنوں سے مجھ کو لاگ ہوش و خرد سے اتفاق
پر یہ کہوں تو کیا کہوں میں نے ستم اٹھائے کیوں

رضاؔ۔ جان ہے عشق مصطفیٰ روز فزوں کرے خدا
جس کو ہو درد کا مزا ناز دوا اٹھائے کیوں

داغؔ۔ ہاں نہیں غیرت رقیب خیر میں بے حیا سہی
جو نہ دوبارہ آسکے بزم سے تیری جائے کیوں

رضاؔ۔ دیکھ کے حضرت غنی پھیل پڑے فقیر بھی
چھائی ہے اب تو چھاؤنی حشر ہی آ نہ جائے کیوں

داغؔ۔ لاگ ہو یا لگاؤ ہو کچھ بھی نہ ہو تو کچھ نہیں
بن کے فرشتہ آدمی بزم جہاں میں آئے کیوں

رضاؔ۔ سنگ در حضور سے ہم کو خدا نہ صبر دے
جانا ہے سر کو جا چکے دل کو قرار آئے کیوں

غالب کا یہ شعر زبان زد عام ہے۔

ہاں وہ نہیں خدا پرست جاؤ وہ بے وفا سہی
جس کو ہو دین و دل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں

معانی کے ساتھ طرز ادا کچھ ایسا ہے کہ ایسی سو غزلیں قربان۔

ردیف گویا اس سے بہتر چسپاں نہیں ہو سکتی۔ مولانا نے غالب کی غزل کے صدقے لفظ "میں" کو "سے" سے بدل کر نعت کہنے کا حق ادا کر دیا ہے نعت اور غزل کو ایک جان کرنا اسی کو کہتے ہیں مطلع دیکھئے۔

پھر کے گلی گلی تباہ ٹھوکریں سب کی کھائے کیوں
دل کو جو عقل دے خدا تیری گلی سے جائے کیوں

داغ کے ہم عصر امیر مینائی کے جو علم و فن میں داغ سے بھی بڑھے ہوئے تھے مشہور مطلعوں میں ایک مطلع یہ ہے اور واقعی بہت خوب ہے۔

جب سے باندھا ہے تصور اس رخ پر نور کا
سارے گھر میں نور پھیلا ہے چراغ طور کا

لیکن مولانا نے تقریباً" اسی زمین میں ایسا نعتیہ مطلع کہا ہے کہ مضمون آفرینی کی انتہا کر دی جائے۔

میل سے کس درجہ ستھرا ہے وہ پتلا نور کا
ہے گلے میں آج تک کورا ہی کرتا نور کا

ایک اور ہم قافیہ شعر

امیر۔ اے ضبط دیکھ عشق کی ان کو خبر نہ ہو
دل میں ہزار درد اٹھے آنکھ تر نہ ہو

رضا۔ کانٹا مرے جگر سے غم روزگار کا
یوں کھینچ لیجئے کہ جگر کو خبر نہ ہو

امیر کے دیوان مراۃ الغیب کی ایک غزل کے چند ہم قافیہ اشعار ملاحظہ فرمایئے مگر یہ نہ بھولئے کہ امیر کے اشعار ان کی غزل سے لئے گئے ہیں اور مولانا کے ان کی نعتوں سے

امیر۔ یہ ترو تازہ ہے کہ تمہارا عارض
یہ دھواں دار گھٹا ہے کہ تمہارے گیسو

سوکھے دھانوں پہ ہمارے بھی کرم ہو جائے
چھائیں رحمت کی گھٹا بن کے تمہارے گیسو

امیر۔ بال کنگھی سے جو سلجھائے تو دل الجھایا
تیرہ بختوں کو بگاڑا جو سنوارے گیسو

رضا۔ شانہ ہے پنجۂ قدرت ترے بالوں کے لئے
کیسے ہاتھوں نے شہا تیرے سنوار گیسو

امیر۔ مچھلیاں دام سمجھ کر ہیں جو موجوں میں نہاں
کھل گئے کس کے یہ دریا کے کنارے گیسو

رضا۔ تار شیراز مجموعۂ کونین ہیں یہ
حال کھل جائے جو اکدم ہوں کنارے گیسو

امیر۔ دن کو رخسار دکھاتا ہے فروغ خورشید
شب کو چمکاتے ہیں افشاں کے ستارے گیسو

رضا۔ تیل کی بوندیں ٹپکتی نہیں بالوں سے رضا
صبح عارض پہ لٹاتے ہیں ستارے گیسو

مندرجہ بالا زمین ردیف کی ثقافت کی وجہ سے ایسی بنجر ہے کہ اس میں رنگ برنگ کے پھول کھلانا ممکن نہیں۔ لہٰذا دونوں کے اشعار میں طراوت و خوش بیانی کا ایک حد تک فقدان ہے لیکن اب ہم مولانا کے چند ایسے نعتیہ اشعار پیش کریں گے۔ جو اساتذہ غزل کی شان کے ہیں ان میں چستی و بندش' زبان کی گھلاوٹ اور فصاحت و بلاغت کے وہ نمونے ملیں گے کہ لمحہ بھر کے لئے بھولنا

پڑے گا کہ یہ اشعار نعتوں کے ہیں۔

۔ شمع یاد رخ جاناں نہ بجھے
خاک ہو جائیں بھڑکنے والے

۔ کوئی ان تیز رووں سے کہہ دو
کس کے ہو کر رہیں تھکنے والے

۔ دل سلگتا ہی بھلا ہے اے ضبط
بجھ بھی جاتے ہیں دہکنے والے

۔ جب گرے منہ سوئے میخانہ تھا
ہوش میں ہیں یہ بہکنے والے

۔ کام زنداں کے لئے اور ہمیں
شوق گلزار ہے کیا ہوتا ہے

۔ بیچ میں آگ کا دریا حائل
قصد اس پار ہے کیا ہوتا ہے

۔ دل ہمیں تم سے لگانا ہی نہ تھا
اب سفر بار ہے کیا ہوتا ہے۔

۔ منہ دکھانے کا نہیں اور سحر
عام دربار ہے کیا ہوتا ہے

۔ چھپ کے لوگوں نے کیئے جس سے گناہ
وہ خبردار ہے کیا ہوتا ہے

۔ ان کے نقش پا پہ غیرت کیجئے
آنکھ سے چھپ کر زیارت کیجئے

۔ ان کے حسن ملاحت پر نثار
شیرہ جاں کی حلاوت کیجئے

۔ ڈوب کر یاد لب شاداب میں

آب کوثر کی سباحت کیجئے

سر سے گرتا ہے ابھی بار گناہ

خم ذرا فرق ارادت کیجئے

مولانا کسی صنف سخن میں پابند نہیں انہوں نے جگہ جگہ صنعتوں کا استعمال بھی کیا ہے۔ رباعی بھی نہایت پختہ کہتے ہیں اس مختصر سے مقالے میں ان سب کو گنجائش نہیں صرف چند ہی رباعیاں پیش کی جاتی ہیں۔ تاکہ کہے کا پاس رہے۔

محصور نہاں دانی و عالی میں ہے

کیا شبہ رضا کی بے مثالی میں ہے

ہر شخص کو ایک وصف میں ہوتا ہے کمال

بندے کو کمال بے کمالی میں ہے

کس منہ سے کہوں رشک رعنا دل ہوں میں

شاعر ہوں فصیح بے مماثل ہوں میں

حقائق صنعت نہیں آتی مجھ کو

ہاں یہ ہے کہ نقصان میں کامل ہوں میں

مولانا نے آئمہ کی شان میں بھی بہت کچھ لکھا ہے ایک رباعی سنیئے۔

معدوم نہ تھا سایہ شاہ ثقلین

اس نور کی جلوہ گہ تھی ذات حسنین

تمثیل نے اس سایہ کے دو حصے کیئے

آدھے سے حسن بنے آدھے سے حسین"

وصل اول در نعت اکرم حضور سید عالم ﷺ

واہ کیا جود و کرم ہے شہ بطحا تیرا
نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

اغنیا پلتے ہیں در سے وہ ہے باڑا تیرا
اصفیا چلتے ہیں سر سے وہ ہے رستا تیرا

فرش والے تری شوکت کا علو کیا جانیں
خسروا عرش پر اڑتا ہے پھریرا تیرا

میں تو مالک ہی کہونگا کہ ہو مالک کے حبیب
یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا

تیرے قدموں میں جو ہیں غیر کا منہ کیا دیکھیں
کون نظروں پہ چڑھے دیکھ کے تلوا تیرا

ایک میں کیا مرے عصیاں کی حقیقت کتنی
مجھ سے سو لاکھ کو کافی ہے اشارہ تیرا

تیرے ٹکڑوں سے پلے غیر کی ٹھوکر پہ نہ ڈال
جھڑکیاں کھائیں کہاں چھوڑ کے صدقہ تیرا

کس کو منہ تکیے کہاں جایئے کس سے کہئے
تیرے ہی قدموں پر مٹ جائے یہ پالا تیرا

تیرے صدقے مجھے ایک بوند بہت ہے تیری
جس دن اچھوں کو ملے جام جھلکتا تیرا

حرم و طیبہ و بغداد جدھر کیجئے نگاہ
جوت پڑتی ہے تیری نور ہے چھنتا تیرا

تیری سرکار میں لاتا ہے رضا اس کو شفیع
جو مرا غوث ہے اور لاڈلا بیٹا تیرا

غم ہو گئے بے شمار آقا — بندہ تیرے نثار آقا
بگڑا جاتا ہے کھیل میرا — آقا آقا سنوار آقا
منجدھار پہ آکے ناؤ ٹوٹی — دے ہاتھ کہ ہوں میں پار آقا
ٹوٹی جاتی ہے پیٹھ میری — للہ یہ بوجھ اتار آقا
ہلکا ہے اگر ہمارا پلہ — بھاری ہے ترا وقار آقا
مجبور ہیں ہم تو فکر کیا ہے — تم کو تو ہے اختیار آقا
میں دور ہوں تم تو ہو مرے پاس — سن لو میری پکار آقا
مجھ سا کوئی غم زدہ نہ ہوگا — تم سا نہیں غم گسار آقا
گرداب میں پڑ گئی ہے کشتی — ڈوبا ڈوبا اتار آقا
تم وہ کہ کرم کو ناز تم سے — میں وہ کہ بدی کو عار آقا
پھر منہ نہ پڑے کبھی خزاں کا — دے دے ایسی بہار آقا
جس کی مرضی خدا نہ ٹالے — میرا ہے وہ نامدار آقا
ہے ملک خدا پہ جس کا قبضہ — میرا ہے وہ کامگار آقا
سویا کئے نابکار بندے — رویا کئے زار زار آقا
کیا بھول ہے ان کے ہوتے کہلائیں — دنیا کے یہ تاجدار آقا
ان کے ادنیٰ گدا پہ مٹ جائیں — ایسے ایسے ہزار آقا
بے ابر کرم کے میرے دھبے — لاتغسلہا البحار آقا

اتنی رحمت رضا پہ کر لو
لا یقربہ البوار آقا

نہ آسمان کو یوں سر کشیدہ ہونا تھا
حضور خاک مدینہ خمیدہ ہونا تھا
اگر گلوں کو خزاں نارسیدہ ہونا تھا
کنار خار مدینہ دمیدہ ہونا تھا
نظارہ خاک مدینہ کا اور تیری آنکھ
نہ اسقدر بھی قمر شوخ دیدہ ہونا تھا
کنار خاک مدینہ میں راحتیں ملتیں
دل حزیں تجھے اشک چکیدہ ہونا تھا
یہ کیسے کھلتا کہ ان کے سوا شفیع نہیں
عبث نہ اوروں کے آگے تپیدہ ہونا تھا
ہلال کیسے نہ بنتا کہ ماہ کامل کو
سلام ابروئے شہ میں خمیدہ ہونا تھا
نسیم کیوں نہ شمیم ان کی طیبہ سے لاتی
کہ صبح گل کو گریباں دریدہ ہونا تھا
بجا تھا عرش پہ خاک مزار پاک کو ناز
کہ تجھ سا عرش نشیں آفریدہ ہونا تھا
گزرتے جان سے اک شور "یا حبیب" کے ساتھ
فغاں کو نالہ حلق بریدہ ہونا تھا
مری قبا کے نہ کیوں نیچے نیچے دامن ہوں
کہ خاکساروں سے یاں کب کشیدہ ہونا تھا
رضا جو دل کو بنانا تھا جلوہ گاہ حبیب
تو پیارے قید خودی سے رہیدہ ہونا تھا

نعتیں بانٹتا جس سمت وہ ذیشان گیا
ساتھ ہی منشیِ رحمت کا قلم دان گیا
لے خبر جلد کہ غیروں کی طرف دھیان گیا
مرے مولیٰ مرے آقا ترے قربان گیا
آہ وہ آنکھ کہ ناکام تمنا ہی رہی
ہائے وہ دل جو ترے در سے پر ارمان گیا
دل ہے وہ دل جو تیری یاد سے معمور رہا
سر ہے وہ سر جو ترے قدموں پہ قربان گیا
انہیں جانا انہیں مانا نہ رکھا غیر سے کام
للہ الحمد میں دنیا سے مسلمان گیا
اور تم پر مرے آقا کی عنایت نہ سہی
نجدیو! کلمہ پڑھانے کا بھی احسان گیا
آج لے ان کی پناہ آج مدد مانگ ان سے
پھر نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا
اف رے منکر یہ بڑھا جوش تعصب آخر
بھیڑ میں ہاتھ سے کم بخت کے ایمان گیا
جان و دل ہوش و خرد سب تو مدینے پہنچے
تم نہیں چلتے رضا سارا تو سامان گیا

سرتا بقدم ہے تن سلطان زمن پھول
لب پھول دہن پھول ذقن پھول بدن پھول

صدقے میں ترے باغ تو کیا لائے ہیں بن پھول
اس غنچہ دل کو بھی تو ایما ہو کہ بن پھول

تنکا بھی ہمارے تو ہلائے نہیں ہلتا
تم چاہو تو ہو جائے ابھی کوہ محن پھول

واللہ جو مل جائے ترے گل کا پسینہ
مانگے نہ کبھی عطر نہ پھر چاہے دلہن پھول

شب یاد تھی کن دانتوں کی شبنم کہ دم صبح
شوخان بہاری کے جڑاؤ ہیں کرن پھول

دندان و لب و زلف و رخ شہ کے فدائی
ہیں درعدن لعل یمن مشک ختن پھول

دل اپنا بھی شیدائی ہے اس ناخن پا کا
اتنا بھی مہ نو پہ نہ اے چرخ کہن پھول

کیا غازہ ملا گرد مدینہ کا جو ہے آج
نکھرے ہوئے جوبن میں قیامت کی پھبن پھول

گرمی یہ قیامت ہے کہ کانٹے ہیں زباں پر
بلبل کو بھی اے ساقی صہبا و لبن پھول

دل غم تجھے گھیرے ہیں خدا تجھ کو وہ چمکائے
سورج ترے خرمن کو بنے تیری کرن پھول

کیا بات رضا اس چمنستان کرم کی
زہرا ہے کلی جس میں حسین اور حسن پھول

ان کی مہک نے دل کے غنچے کھلا دیئے ہیں
جس راہ چل گئے ہیں کوچے بسا دیئے ہیں

جب آگئی ہیں جوش رحمت پہ ان کی آنکھیں
جلتے بجھا دیئے ہیں روتے ہنسا دیئے ہیں

اک دل ہمارا کیا ہے آزار اس کا کتنا
تم نے تو چلتے پھرتے مردے جلا دیئے ہیں

ان کے نثار کوئی کیسے ہی رنج میں ہو
جب یاد آگئے ہیں سب غم بھلا دیئے ہیں

ہم سے فقیر بھی اب پھیرے کو اٹھتے ہوں گے
اب تو غنی کے در پہ بستر جما دیئے ہیں

اسرا میں گزرے جس دم بیڑے پہ قدسیوں کے
ہوتے گی سلامی پرچم جھکا دیئے ہیں

آنے دو یا ڈبو دو اب تو تمہاری جانب
کشتی تمہیں پہ چھوڑی لنگر اٹھا دیئے ہیں

دولہا سے اتنا کہہ دو پیارے سواری روکو
مشکل میں ہیں براتی پرخار بادیے ہیں

اللہ کیا جہنم اب بھی نہ سرد ہوگا
رو رو کے مصطفیٰ نے دریا بہا دیئے ہیں

میرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا
دریا بہا دیئے ہیں در بے بہا دیئے ہیں

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں

وہ کمال حسن حضور ہے کہ گمان نقص جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

دو جہاں کی بہتریاں نہیں کہ امانی دل و جاں نہیں
کیوں کیا ہے وہ جو یہاں نہیں مگر اک نہیں کہ وہ ہاں نہیں

میں نثار تیرے کلام پر ملی یوں تو کس کو زباں نہیں
وہ سخن ہے جس میں سخن نہ ہو وہ بیاں ہے جس کا بیاں نہیں

بخدا خدا کا یہی ہے در نہیں اور کوئی مفر مقر
جو وہاں سے ہو یہیں آکے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

کرے مصطفیٰ کی اہانتیں کھلے بندوں اس پہ یہ جراتیں
کہ میں کیا نہیں ہوں محمدی! ارے ہاں نہیں ارے ہاں نہیں

ترے آگے یوں ہیں دبے لچے فصحا عرب کے بڑے بڑے
کوئی جانے منہ میں زباں نہیں، نہیں بلکہ جسم میں جاں نہیں

وہ شرف کہ قطع ہیں نسبتیں وہ کرم کہ سب سے قریب ہیں
کوئی کہہ دو یاس و امید سے وہ کہیں نہیں وہ کہاں نہیں

یہ نہیں کہ خلد نہ ہو نکو وہ نکوئی کی بھی ہے آبرو
مگر اے مدینہ کی آرزو جسے چاہے تو وہ سماں نہیں

ہیں انہیں کے نور سے سب عیاں ہے انہیں کے جلوہ میں سب نہاں
بنے صبح تابش مہر سے رہے پیش مہر یہ جاں نہیں

وہی نور حق وہی ظل رب ہے انہیں سے سب ہے انہیں کا سب
نہیں ان کی ملک میں آسماں کہ زمیں نہیں کہ زماں نہیں

وہی لامکاں کے مکیں ہوئے سرِ عرش تخت نشیں ہوئے
وہ نبی ہے جس کے ہیں یہ مکاں وہ خدا ہے جس کا مکاں نہیں

سرِ عرش پر ہے تری گزر دلِ فرش پر ہے تری نظر
ملکوت و ملک میں کوئی شے نہیں وہ جو تجھ پہ عیاں نہیں

کروں تیرے نام پہ جاں فدا نہ بس ایک جاں دو جہاں فدا
دو جہاں سے بھی نہیں جی بھرا کروں کیا کروڑوں جہاں نہیں

ترا قد تو نادرِ دہر ہے کوئی مثل ہو تو مثال دے
نہیں گل کے پودوں میں ڈالیاں کہ چمن میں سروِ چماں نہیں

نہیں جس کے رنگ کا دوسرا نہ تو ہو کوئی نہ کبھی ہوا
کہو اس کو گل کہے کیا بنی کہ گلوں کا ڈھیر کہاں نہیں

کروں مدح اہلِ دول رضا پڑے اس بلا میں مری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا مرا دین پارۂ ناں نہیں

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

سب سے اولیٰ و اعلیٰ ہمارا نبی
سب سے بالا و والا ہمارا نبی
اپنے مولیٰ کا پیارا ہمارا نبی
دونوں عالم کا دولہا ہمارا نبی

بزم آخر کا شمع فروزاں ہوا
نور اول کا جلوہ ہمارا نبی
بجھ گئیں جس کے آگے سبھی مشعلیں
شمع وہ لے کر آیا ہمارا نبی

جس کے تلووں کا دھوون ہے آب حیات
ہے وہ جاں مسیحا ہمارا نبی
خلق سے اولیا اولیا سے رسل
اور رسولوں سے اعلیٰ ہمارا نبی

حسن کھاتا ہے جس کے نمک کی قسم
وہ ملیح دل آرا ہمارا نبی
جس کی دو بوندیں کوثر و سلسبیل!
ہے وہ رحمت کا دریا ہمارا نبی

کون دیتا ہے دینے کو منہ چاہیے
دینے والا ہے سچا ہمارا نبی
کیا خبر کتنے تارے کھلے چھپ گئے
پر نہ ڈوبے نہ ڈوبا ہمارا نبی

لامکاں تک اجالا ہے جس کا وہ ہے
ہر مکاں کا اجالا ہمارا نبی
سارے اچھوں سے اچھا سمجھئے جسے
ہے اس اچھے سے اچھا ہمارا نبی

جس نے ٹکڑے کیے ہیں قمر کے وہ ہے
نور وحدت کا ٹکڑا ہمارا نبی
غمزدوں کو رضا مژدہ دیجے کہ ہے
بیکسوں کا سہارا ہمارا نبی

جس کے ماتھے کی گھٹا گیسوئے مشکل سا
لکہ ابر رافت پہ لاکھوں سلام
جس کے ماتھے شفاعت کا سہرا رہا
اس جبیں سعادت پہ لاکھوں سلام
جس کے سجدے کو محراب کعبہ جھکی
ان بھوؤں کی لطافت پہ لاکھوں سلام
جس طرف اٹھ گئی دم میں دم آ گیا
اس نگاہ عنایت پہ لاکھوں سلام
جن کے آگے چراغ قمر جھلملائے
ان غداروں کی طلعت پہ لاکھوں سلام
جس سے تاریک دل جگمگانے لگے
اس چمک والی رنگ پہ لاکھوں سلام
خط کی گرد دہن وہ دل آرا پھبن
سبزۂ نہر رحمت پہ لاکھوں سلام
ریش خوش معتدل مرہم ریش دل
ہالہ ماہ ندرت پہ لاکھوں سلام
پتلی پتلی گل قدس کی پتیاں
ان لبوں کی نزاکت پہ لاکھوں سلام
کاش محشر میں جب ان کی آمد ہو اور
بھیجیں سب کی ان کی شوکت پہ لاکھوں سلام
مجھ سی خدمت کے قدسی کہیں ہاں رضا
مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام

اے شافع امم شہ ذی جاہ لے خبر
اللہ لے خبر مری اللہ لے خبر

دریا کا جوش، ناؤ نہ بیڑا نہ ناخدا
میں ڈوبا، تو کہاں ہے مرے شاہ لے خبر

منزل کڑی ہے رات اندھری میں نابلد
اے خضر لے خبر میری اے ماہ لے خبر

پہنچے پہنچنے والے تو منزل مگر شہا
ان کی جو تھک کے بیٹھے سر راہ لے خبر

جنگل درندوں کا ہے میں بے یار شب قریب
گھیرے ہیں چار سمت سے بدخواہ لے خبر

منزل نئی عزیز جدا لوگ ناشناس
ٹوٹا ہے کوہ غم میں پرکاہ لے خبر

وہ سختیاں سوال کی وہ صورتیں مہیب
اے غمزدوں کے حال سے آگاہ لے خبر

مجرم کو بارگاہ عدالت میں لائے ہیں
تکتا ہے بے کسی میں تری راہ لے خبر

اہل عمل کو ان کے عمل کام آئیں گے
میرا ہے کون تیرے سوا آہ لے خبر

پر خسلد راہ برہنہ پا تشنہ آب دور
مولیٰ پڑی ہے آفت جانکاہ لے خبر

باہر زبانیں پیاس سے ہیں آفتاب گرم
کوثر کے شاہ کثرہ اللہ لے خبر

مانا کہ سخت مجرم و ناکارہ ہے رضا
تیرا ہی تو ہے بندہ درگاہ لے خبر

پوچھتے کیا ہو عرش پر یوں گئے مصطفیٰ کہ یوں
کیف کے پر جہاں جلیں کوئی بتائے کیا کہ یوں

قصر دنیٰ کے راز میں عقلیں تو گم ہیں جیسی ہیں
روح قدس سے پوچھئے تم نے بھی کچھ سنا کہ یوں

میں نے کہا کہ جلوہ اصل میں کس طرح گمیں
صبح نے نور مہر میں مٹ کے دکھا دیا کہ یوں

ہائے رے ذوق بے خودی دل جو سنبھلنے سا لگا
چھک کے مہک میں پھول کی گرنے لگی صبا کہ یوں

دل کو دے نور و داغ عشق پھر میں فدا دو نیم کر
مانا ہے سن کے شق مہ آنکھوں سے اب دکھا کہ یوں

دل کو ہے فکر کس طرح مردے جلاتے ہیں حضور
اے میں فدا لگا کر ایک ٹھوکر اسے بتا کہ یوں

باغ میں شکر وصل تھا ہجر میں ہائے ہائے گل
کام ہے ان کے ذکر سے خیر وہ یوں ہوا کہ یوں

جو کہے شعر و پاس شرع دونوں کا حسن کیوں کر آئے
لا اسے پیش جلوہ زمزمہ رضا کہ یوں

اہل صراط روح امیں کو خبر کریں
جاتی ہے امت نبوی فرش پر کریں

ان فتنہ ہائے حشر سے کہہ دو حذر کریں
ناروں کے پالے آتے ہیں رہ سے گزر کریں

بد ہیں تو آپ کے ہیں بھلے ہیں تو آپ کے
ٹکڑوں سے تو یہاں کے پلے رخ کدھر کریں

سرکار ہم کمینوں کے اطوار پر نہ جائیں
آقا حضور اپنے کرم پر نظر کریں

ان کی حرم کے خار کشیدہ ہیں کس لئے
آنکھوں میں آئیں سر پہ رہیں دل میں گھر کریں

جالوں پہ جال پڑ گئے اللہ وقت ہے
مشکل کشائی آپ کے ناخن اگر کریں

منزل کڑی ہے شان تبسم کرم کرے
تاروں کی چھاؤں نور کے تڑکے سفر کریں

کلک رضا ہے خنجر خونخوار برق بار
اعدا سے کہہ دو خیر منائیں نہ شر کریں

بندہ ملنے کو قرب حضرت قادر گیا
لمعہ باطن میں گھنے جلوہ ظاہر گیا
تیری مرضی پاگیا سورج پھر الٹے قدم
تیری انگلی اٹھ گئی مہ کا کلیجا چر گیا
تیری رحمت سے صفی اللہ کا بیڑا پار تھا
تیرے صدقے سے نجی اللہ کا بجرا تر گیا
تیری آمد تھی کہ بیت اللہ مجرے کو جھکا
تیری ہیبت تھی کہ ہر بت تھرتھرا کر گر گیا
رحمتہ اللعالمین آفت میں ہوں کیسی کروں
میرے مولیٰ میں تو اس دل سے بلا میں گھر گیا
میں ترے ہاتھوں کے صدقے کیسی کنکریاں تھیں وہ
جن سے اتنے کافروں کا دفعتاً منہ پھر گیا
کیوں جناب بوہریرہ تھا وہ کیسا جام شیر
جس سے ستر صاحبوں کا دودھ سے منہ پھر گیا
واسطہ پیارے کا ایسا ہو کہ جو سنی مرے
یوں نہ فرمائیں ترے شاہد کہ وہ فاجر گیا
عرش پر دھومیں مچیں وہ مومن صالح ملا
فرش سے ماتم اٹھے وہ طیب و طاہر گیا
اللہ اللہ یہ علو خاص عبدیت رضا
بندہ ملنے کو قریب حضرت قادر گیا
ٹھوکریں کھاتے پھرو گے ان کے در پر پڑ رہو
قافلہ تو اے رضا اول گیا آخر گیا

ہماری بہترین مطبوعات



عظیم اینڈ سنز پبلشرز